جامعہ مظاہر علوم کا ترجمان

ماہنامہ

مظاہر علوم

سہارنپور

جلد نمبر ۲۵

رمضان ۱۴۴۰ھ / مئی ۲۰۱۹ء

شمارہ نمبر ۲

سرپرست

حضرت الحاج مولانا محمد طلحہ صاحب مدظلہ

مدیر مسئول

حضرت مولانا سید محمد سلمان صاحب مدظلہ ناظم جامعہ ہذا

نگران

حضرت مولانا سید محمد شاہد صاحب مدظلہ امین عام جامعہ ہذا

مدیر تحریر

مولانا عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

مجلس ادارت

- مولانا محمد ساجد حسن صاحب مظاہری
- مولانا محمد خالد سعید صاحب اعظمی
- مولانا مفتی شعیب احمد صاحب بستوی
- مولانا مفتی بشیر احمد صاحب سہارنپوری

زرتعاون

فی شمارہ ——— ۱۵/روپیے

سالانہ زرتعاون ——— ۱۵۰/روپیے

بیرون ملک سالانہ ——— ۲۵ڈالر

توسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۴۷۰۰۱ (یوپی)

MAZAHIR ULOOM URDU MONTHLY MAGAZINE
SAHARANPUR 247001(U.P.) INDIA
Ph: 0132-2655542
Email-jamiamazahir@gmail.com

اس شمارے میں

○ دائرہ کا سرخ نشان آپ کی مدت خریداری ختم ہونے کی علامت ہے، آئندہ کے لیے رقم ارسال فرمائیں۔

☆ شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

☆ جواب طلب امور کے لیے لفافہ اور خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

☆ ماہنامہ، انگریزی ماہ کی ۲/تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ ۱۰/تاریخ تک موصول نہ ہونے پر مطلع فرمائیں۔

نوائے سحر

تو رہ نوردِ شوق ہے

عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

اس وقت تمام مدارس اسلامیہ میں تعطیل ہوچکی ہے، اور اگلے تعلیمی سال کے شروع ہونے میں تقریبا ڈیڑھ دو مہینے کا وقفہ ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مدارس اسلامیہ کے تعلق سے کچھ باتیں عرض کی جائیں، ان کے ذمہ داران کو مخاطب بنایا جائے، مدارس اسلامیہ کی حسنِ کارکردگی کے سلسلے میں آئندہ کے لئے کچھ غور وفکر کیا جائے، اسی کے ساتھ مدارس اسلامیہ سے فارغ ہونے والے قوم وملت کے عظیم سرمایے سے بھی کچھ باتیں کی جائیں :

ماضی کی تاریخ دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ملک وملت کی تعمیر اور اصلاح قوم ووطن کے سلسلہ میں دینی مدارس کا بڑا فیض رہا ہے، ذمہ داران مدارس کے دلوں سے اخلاصِ عمل کے ساتھ ساتھ احساسِ ذمہ داری کا فقدان ہوتا جارہا ہے، عوام کی حلال کمائی کے ایک ایک پیسے کو جوڑ کر مدارس چلانے کی فکر کے بجائے اب اکثر ارباب مدارس کی نگاہیں حکومت کی امداد اور اس سے ملنے والی مراعات کی طرف ہوگئی ہے، اسی لئے ان دینی مراکز سے ملک وملت کو جتنا کچھ نفع ماضی میں ہوا تھا، مدارس کی کثرت کے تناسب سے اس وقت اس میں بہت زیادہ کمی ہے۔

آج ہم اپنا جائزہ لیتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ خطائیں ہی خطائیں ہیں، کوتاہیاں ہی کوتاہیاں ہیں، عہدوں کیلئے لڑائیاں ہیں، اساتذہ ٹولیاں بنا کر افتراق میں مبتلا ہوتے ہیں، طلبہ الگ من مانی کرتے ہیں، چونکہ ان مدارس کا قیام اور ان کی بقاء کا تعلق عالم اسباب میں عوامی چندوں سے ہے، تو چندوں میں اتنا انہماک ہوتا ہے کہ بعض اوقات حرام وحلال کی حدیں ٹوٹ جاتی ہیں، اور اس سلسلے میں نامناسب امور کا اتنا ارتکاب ہوتا ہے اور انھیں اتنا غیر اہم سمجھا جاتا ہے جیسے ان کیلئے شریعت کی کوئی ہدایت ہے ہی نہیں، کمیشن پر چندہ کرنا ایک دستور سا بن گیا

ہے، حالانکہ شرعاً وہ جائز نہیں ہے، پھر بہت سے مدارس میں تعلیم کی مدت میں طلبہ اور اساتذہ سب کو چندہ کے کام میں لگا دیا جاتا ہے، اس سے تعلیم کا ناقابل تلافی نقصان ہوتا ہے، اور مزاج بگڑ جاتا ہے، یہ تو چندے کے حصول کا مسئلہ ہے، اس کے خرچ کا مسئلہ بھی کچھ کم نازک نہیں ہے، مصارف کی بے احتیاطیوں سے ارباب مدارس خوب واقف ہیں۔

ایک افسوسناک اور قابل اصلاح صورت حال یہ ہے کہ عموماً دینی مدارس کے اہل انتظام کالجوں اور یونیورسٹیوں کی ریس میں تعلیم سے زیادہ تعمیر کا جذبہ رکھتے ہیں، کارکنوں کی تنخواہیں تو کم، بہت کم ہوتی ہیں، لیکن تعمیر میں بے تحاشا دولت صرف کی جاتی ہے، اور بعض اوقات بالکل بے ضرورت! ان کی طویل وعریض عمارتوں کا اور کوئی نقصان ہو یا نہ ہو، ہمارے اس ملک میں جہاں تعصب کا الاؤ ہر طرف جل رہا ہے، مدارس کی ان بلند وبالا خوبصورت عمارتوں پر فرقہ پرستوں کی نگاہیں پڑتی اور ان میں خطرے کی علامتیں ڈھونڈھتی ہیں، نہیں ملتیں تو زبردستی تہمت تراشی کرتی ہیں، حالانکہ اگر بقدر ضرورت عمارتیں بنوائیں اور انھیں سادہ انداز پر رکھیں، تو تعلیمی وتربیتی مواقع پر خرچ کرنا آسان ہو، اور ان پر ناجائز نگاہیں بھی نہ پڑیں۔

کیا اچھا ہوتا کہ اربابِ مدارس بہت زیادہ شاندار عمارتیں نہ بناتے تو بہت سے فتنوں سے محفوظ رہتے (ماخوذ از ''مدارسِ اسلامیہ مشورے اور گزارشیں'': مولانا اعجاز احمد اعظمیؒ)

اس نازک وقت پر اگر ارباب مدارس نے ہوشیاری اور تدبیر سے کام نہیں لیا، ہمارے اکابر واسلاف نے مدارس کی جو شبیہ بنائی تھی اور اس کو باقی رکھنے کے لئے جو اصول وضوابط بنائے تھے اگر ان کو پیش نظر نہ رکھا گیا مدارس ومکاتب کو اپنے مقاصد میں مکمل طور سے کامیاب بنانے کی اصل روح ''اخلاص وللّٰہیت'' کو اگر بروئے کار نہیں لایا گیا تو ملت اسلامیہ ایک عظیم خسارہ اور نقصان سے دوچار ہوگی جس کی تلافی کی بظاہر کوئی شکل بھی نظر نہیں آتی۔

فضلائے مدارس سے

آج بڑے شد ومد کے ساتھ یہ واویلا اور شور کیا جاتا ہے کہ مدارس اسلامیہ جو افراد تیار

کررہے ہیں وہ معاشرہ میں اپنا صالح کردار نہیں پیش کررہے ہیں ،امت کو ان فضلاء مدارس سے جوتوقعات ہیں وہ ان میں پورے نہیں اتر پارہے ہیں، ماضی میں مدارس اسلامیہ نے جو معاشرتی استحکام اور قوم وملت کے وقار وافتخار میں جو شاندار اضافہ کیا ہے وہ اب ان نئے فضلاء مدارس کے ذریعہ نہیں ہورہا ہے۔

کہنے والوں کی یہ بات کتنی درست ہے اور اس میں حقیقت کا کتنا عنصر ہے یا سب افسانہ ہی افسانہ ہے یہ ایک الگ موضوع ہے تاہم یہ بات واضح ہے کہ اگر مدارس میں خود احتسابی کا عنصر باقی ہو اور اپنی کمزوریوں کے ادراک اور تدارک میں تساہل نہ برتا جائے تو اس کے امتیاز اور نظریہ کو دنیا کی کوئی طاقت بہ زور ختم نہیں کرسکتی اور ان اداروں کی پروردہ آئندہ نسلیں ماضی سے زیادہ میدان سنبھالنے کی اہل ہوں گی۔

مدارس دینیہ سے ابھی ابھی فضلاء کی ایک بڑی تعداد نکلی ہے، ماحول اور معاشرہ میں اپنا مقام ومرتبہ اور علمی وقار پیدا کرنے کے لئے فضلاء کی یہ جماعت ابھی منصوبہ سازی میں ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی خدمت میں چند گذارشات پیش کی جائیں، امید ہے کہ ان کی اہمیت محسوس کی جائے گی۔

۞ ہم جس ماحول میں جی رہے ہیں یہ اپنی روح کے اعتبار سے اسلامی نہیں، اسلامی اقدار: دیانت، امانت، فرض شناسی، حیا، عدل وانصاف اور ایثار ومروت وغیرہ کی معاشرتی اور ملکی سطح پر پامالی مُشاہَد ہے، اس لئے روحانی اقدار کو غلبہ دیا جائے جس سے عصر جدید کے مادی وحسی تمدن سے مقابلہ کے لیے عمل کی وہ قوت حاصل کی جاسکتی ہے جو مدرسہ سے حاصل شدہ علم کے عین مطابق ہوگی، لیکن اس ماحول میں فاضل کے لیے اپنے علم (قرآن وحدیث) اور عمل کے اندر کامل مطابقت پیدا کرنا انتہائی ضروری ہے۔

۞ ہمارے فاضل کو معاشرہ میں اپنا مؤثر کردار ادا کرنے کے لیے علم وعمل کی

مطابقت کا جومعرکہ سر کرنا ہے اس کا واحد ذریعہ ''تزکیۂ باطن'' ہے،سنت اللہ یہی ہے کہ اس کا حصول اہل اللہ کی صحبت کے بغیر مشکل ہے۔

✿ جدید فاضل کے لیے بہترین علمی صلاحیت کی افزائش کے ساتھ اپنے اندر ''داعیانہ صفات'' کی تشکیل بھی ازحدضروری ہے، داعی میں جس لگن، محنت، تڑپ اور فکر کا پایا جانا ضروری ہے،عموماً ہم اس سے محروم رہتے ہیں۔

✿ اس وقت علمی وعملی فتنوں کی بہتات ہے، نئے فضلاء مدارس کے سامنے آئے دن نئے نئے افکار وخیالات آئیں گے، ان فتنوں سے بچاؤ کا واحد راستہ جمہور سلف کے فہم دین پر اعتماد ہے۔

✿ اکابر ومشائخ پر مکمل اعتماد رکھیں اور اختلافی مسائل میں جمہور امت کا دامن نہ چھوڑیں۔

اکابر کے ساتھ کسی مسئلہ میں رائے کا اختلاف ہوتو اپنی رائے پر اکابر کی رائے کو ترجیح دیں، اس وقت سلف بیزاری کی مسموم فضاء زوروں پر ہے ہر شخص اپنی تحقیق کا پٹارا کھولے ڈگڈگی بجا رہا ہے، اس لیے اہل حق علماء سے رشتہ مضبوط رکھیں اور فکری، اعتقادی، فقہی مسائل میں نئی آراء کو داخل کرنے کے بجائے اکابر کی تحقیقات پر یقین رکھیں۔

✿ دینی مدارس میں علومِ نبوت کے حصول کے بعد معمولاتِ نبوت کے حصول کے لیے خانقاہوں میں اہل اللہ کی صحبت میں کچھ وقت ضرور گزاریں۔

✿ اگر آپ محقق، سکہ بند، پختۂ علم اور بالغ نظر عالم بننے کے خواہاں ہیں تو تشدد کی بجائے تسدّد اور تعصب کی بجائے تصلّب والا مزاج بنائیں۔

✿ یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ معاشرہ میں مولوی کا مقام زوال پذیر ہے، اس کا ایک بڑا سبب ہمارے طبقہ میں دینی کاموں کی ترقی کے لئے معاشرہ سے ''مالی طمع'' کا تعلق ہے، جبکہ علم اور مالی طمع کا باہم کوئی جوڑ نہیں اور اسی جوڑ کو قائم کرنے کی کوشش ذلت وخواری سے دوچار کردیتی ہے، دینی کاموں کا دائرہ اتنا ہی رکھنا چاہیے جس کے لیے اپنے

منصب کے وقار کوملحوظ رکھتے ہوئے وسائل مہیا کیے جاسکیں۔

ﷺ فضلائے مدارس کو اپنے مقام ومرتبہ کے حصول کے لیے معاشرہ اور متعلقین سے توقعات رکھنا بھی زیب نہیں دیتا، اس طرح کا جذبہ رکھنے والے ہر وقت اس خوف کا شکار رہتے ہیں کہ کہیں ان کی ''مقبولیت'' کم یا متاثر نہ ہو، ایسے لوگ اپنے اور معاشرہ کے درمیان خلیجوں کو جنم دیتے ہیں، وہ اکابر علماء کے احترام ومقام کوتو دیکھتے ہیں لیکن اس کی پشت پر طویل مجاہدات کونہیں دیکھتے، ان کی حالیہ زندگی دیکھ کران کی نقالی شروع کردینا کم ظرفی کی علامت ہے۔

معاشرہ کو اسلامی اصولوں پر استوار کرنے کے لئے عزم پیہم اور جہدِ مسلسل سے گزرنا ہوگا، یہ داستانِ عزم ووفا بڑی دشوار گزار قربانیوں کی متقاضی ہے، جب تک اس مشن کے حامل وو ارث، علم و عمل سے مزین ہوکر مخلصانہ مساعی بروئے کار نہیں لائیں گے، اس وقت تک اُنہیں مطلوبہ نتائج کی توقع بھی نہیں رکھنی چاہئے۔

یوں بھی کوئی شخص محض تعلیم سے ہی انبیاء کی وراثت پر فائز نہیں ہوسکتا، بلکہ اس کیلئے خصوصی مجاہدہ اور تربیت کی ضرورت ہے، اس لحاظ سے فضلائے مدارس کو اپنی اعلیٰ ترین منزل کیلئے اپنے علم وشعور اور اخلاق وکردار کو بہتر سے بہترین کرنا ہوگا اور اس جادۂ حق کے رہ نورد بن کر عظیم ترین منزل کی طرف پیش قدمی کرنی ہوگی۔

تو رہ نورد شوق ہے منزل نہ کر قبول!
لیلیٰ بھی ہمنشیں ہو تو محمل نہ کر قبول!

خریدار حضرات سے!

اگر آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہوتو فوراً / 150 روپئے ارسال فرمائیں۔
خط وکتابت کرتے وقت اپنا پتہ انگریزی میں اور خریداری نمبر لکھنا ہرگز نہ بھولیں۔
ہمارے دفتر سے براہ راست رابطہ کیلئے 0132-2655542 فون نمبر ملائیں (ادارہ)

درسِ قرآن

شب قدر اور اس کے اعمال

مولانا محمد ساجد حسن سہارنپوری استاذ تفسیر وحدیث مظاہر علوم سہارنپور

اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ٥ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ٥ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ٥ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ، مِنْ كُلِّ اَمْرٍ سَلٰمٌ، هِیَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ۔

بے شک ہم نے قرآن پاک شب قدر میں اتارا ہے اور آپ کو معلوم ہے کہ شب قدر کیسی ہے؟ شب قدر ایک ہزار مہینوں سے افضل ہے۔اترتے ہیں اس میں فرشتے اور روح، اپنے پروردگار کے حکم سے ہر امر خیر کو لے کر، یہ رات سراسر سلامتی کی ہوتی ہے اور طلوع فجر تک رہتی ہے۔

شان نزول:

حضرت علی وعروہ کا بیان ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے چار عبادت گزار آدمیوں کا تذکرہ فرمایا جنہوں نے ۸۰ سال تک خدا کی اس طرح عبادت کی کہ پلک جھپکنے کے برابر بھی خدا کی نافرمانی نہیں کی ،ان کے اسمائے گرامی حضرت ایوب، حضرت زکریا، حضرت حزقیل، حضرت یوشع بن نون (علیہم السلام) ہیں، حضرات صحابہ کو اس پر تعجب ہوا (اور گویا حرص بھی ہوئی) آپ کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کی امت نے ان عبادت گزاروں کی عبادت پر تعجب کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی افضل چیز آپ پر نازل فرمائی، یہ سن کر آپ اور آپ کے صحابہ بے حد خوش ہوئے۔ (موطا امام مالک)

وجہ تسمیہ:

اس رات کو ’’شب قدر‘‘ کیوں کہتے ہیں؟ اس کی دو وجہ بیان کی جاتی ہیں:

(۱) ’’شب‘‘ فارسی لفظ ہے جس کے معنی ہیں ’’رات‘‘ اور ’’قدر‘‘ یا تو تقدیر سے

ہے جس کے معنی مقرر کرنا، تجویز کرنا، اور تقدیر الٰہی کے ہیں، تو شب قدر کے معنی تقدیر کی رات کے ہیں، بقول قتادہ اس رات میں ہر آدمی کا رزق وروزی مقرر کیا جاتا ہے، عمر لکھی جاتی ہے، ہر طرح کے فیصلے لکھ کر ذمہ دار فرشتوں کے حوالے کر دیئے جاتے ہیں، ''لِأَنَّ اللہ تَعَالیٰ یُقَدِّرُ فِیْهَا مَایَشَاءُ مِنْ أَمْرِهٖ''۔ اس لئے شب قدر کہتے ہیں۔

(۲) قدر کا دوسرا معنی عزت وعظمت اور شرافت کے ہیں اور بقول ابوبکر وَرَّاق اس رات میں جو کتاب (قرآن لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر) اتاری، وہ بھی قابل قدر ہے، اور جس پیغمبر پر اتاری وہ بھی قابل قدر ہے، اور جس امت پر اتاری وہ بھی امتوں میں سب سے بہتر امت ہے، تو ان قابل قدر چیزوں کی وجہ سے اس کو شبِ قدر کہتے ہیں، جس کے معنی ہوئے عظمت والی رات۔

تشریح وتوضیح:

اس سورت شریفہ میں سوال وجواب کے انداز میں ''شب قدر'' کی عظمت سے انسان کو واقف کرایا گیا ہے کہ: ایک ہزار مہینے یا ۸۳۔ تراسی برس کی عبادت بھی اس ایک رات کی عبادت کی برابری نہیں کرسکتی۔

شبِ قدر کے اعمال:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس رات میں تلاوت، نماز دعاء وغیرہ منقول ہیں، اس لئے مناسب یہ ہے کہ بقدر استطاعت، تلاوت نماز وغیرہ میں مشغول رہے، مگر دعاؤں میں سب سے بہتر وہ دعا ہے جو حضرت عائشہ سے منقول ہے، ''أَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّی'' اے اللہ تو معاف کرنے والا ہے اور معاف کرنے کو پسند کرتا ہے تو مجھے بھی معاف فرما دے۔

ان سورتوں اور آیتوں کی بھی تلاوت کرے جن کے بارے میں کثیر ثواب کی خوشخبری دی گئی ہے، ''وَیَتَخَیَّرُ مَاوَرَدَفِیْ قِرَائَتِهٖ کَثْرَةُ الثَّوَابِ''۔

مثلا: (۱) سورۂ بقرہ وآل عمران کی آخری آیتیں جن کا پڑھنا ایک رات کی عبادت کے برابر ثواب رکھتا ہے۔

(۲) آیۃ الکرسی، جس کو قرآن کی افضل آیات ہونے کا شرف حاصل ہے اور جس کا پڑھنے والا مرتے ہی جنت میں داخل ہوجاتا ہے۔

(۳) سورۂ زلزال، جس کے پڑھنے کا ثواب آدھے قرآن کے برابر ہے۔

(۴) سورۂ اخلاص، جس کا ثواب تہائی قرآن کے برابر ہے۔

(۵) سورۂ کافرون، جس کے پڑھنے کا ثواب چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔

(۶) سورۂ یٰس، جو قرآن کا دل ہے جس کا پڑھنے والا بخش دیا جاتا ہے، جس کا پڑھنا دس قرآن کے برابر ثواب رکھتا ہے۔

(۷) بکثرت استغفار پڑھے، ''**سُبْحَانَ اللّٰہِ أَلْحَمْدُ لِلّٰہِ لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ**'' کی تسبیحات پڑھے۔

(۸) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے۔

(۹) اپنے لئے اور دوستوں، رشتہ داروں کے لئے پسندیدہ دعائیں مانگیں۔

(۱۰) مُردوں کے لئے بخشش ومغفرت کی دعائیں کریں۔

(۱۱) اپنے ہاتھ، پاؤں، آنکھ، کان، اعضاء وجوارح کی گناہوں سے حفاظت کرے۔

(۱۲) اپنی وسعت وگنجائش کے مطابق صدقہ کرے۔

(۱۳) **لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ الْحَلِیْمُ الْکَرِیْمُ، سُبْحَانَ اللّٰہِ رَبِّ السَّمٰوَاتِ السَّبْعِ وَرَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ**''۔ جو آدمی کسی بھی رات میں اس کو تین دفعہ پڑھ لے تو اس کو شبِ قدر کے برابر ثواب ملتا ہے، اس لئے اس کو ضرور پڑھیں۔

پیغام:

پہلی امتوں کی عمریں لمبی لمبی ہوتی تھی، اب دنیا بوڑھی ہوچکی ہے لوگوں کی عمریں بھی کم

سے کم تر ہوتی جارہی ہیں، اوسط عمر ۵۵ / ۶۰ سال بھی کسی کو ملے تو کیا، عمر کے پہلے بیس سال تو لہولعب، کھیل کود کی نظر ہو جاتے ہیں، بیس سے چالیس تک زمانہ مضبوطی اور قوت کا ہوتا ہے اور یہ زمانہ دراصل کچھ کرنے کا ہے، اسی زمانہ کی عبادت خدا کو محبوب بھی ہے مگر جوانی، دیوانی ہوتی ہے، اس زمانہ میں آدمی نفس وشیطان، اور ہویٰ وہوس کا بندہ بنا رہتا ہے، الا یہ کہ کسی پر فضل ربانی ہو، صحبت صالحین میسر ہو۔

رہا چالیس سال کے بعد کا زمانہ، تو وہ ہوش کا زمانہ شمار ہوتا ہے، آدمی ذخیرۂ آخرت کرنا چاہتا ہے، مگر اب قویٰ کمزور، کرنا بھی چاہے تو، اَعذار وامراض، کمزوریاں وبیماریاں اپنی گرفت میں لے لیتی ہیں، اسی کمی کو پورا کرنے کے لئے اللہ کے لاڈلے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو ''شب قدر'' سے نوازا گیا ہے کہ ایک رات کی عبادت بھی کسی خوش نصیب، قسمت کے دھنی کو مل گئی تو کم از کم تراسی سال کی عبادت کا ثواب تو مل ہی گیا۔

اس لئے امت مسلمہ کا فرض ہے کہ اس رات کے حاصل کرنے میں بھر پور کوشش کریں، یہ عطیۂ خداوندی ہے اس کی قدر کریں، انعام ربانی ہے اس کو خوب خوب وصول کریں، اس تحفہ سے محرومی گویا بہت ساری خیر سے محرومی ہے۔

علماء کی توہین وبے ادبی کا انجام:

فرمایا: حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جو لوگ علمائے دین کی توہین اور ان پر طعن وتشنیع کرتے ہیں قبر میں ان کا منہ قبلہ سے پھر جاتا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ جس کا جی چاہے دیکھ لے۔

(معارف الاکابر ص ۴۰۱:)

انوارِ حدیث

گذشتہ سے پیوستہ

جواللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے.........

مولانا محمد خالد سعید مبارکپوری استاذ تخصص فی الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

بت شکنی کا حکم اوراس کی خرید وفروخت سے ممانعت

عن جبير بن مطعم قال: لما كان يوم الفتح نادىٰ منادي رسول الله صلى الله عليه وسلم من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يتركن في بيته صنماً إلا كسره و أحرقه وثمنه حرام، قال جبير: وقد كنت أرىٰ قبل ذلک الأصنام يطاف بها بمكة فيشتريها أهل البدو فيخرجون بها إلى بيوتهم، وما من رجل من قريش إلا وفي بيته صنم إذا دخل يمسحه، وإذا خرج يمسحه تبركاً به (أخبار مكة للأزرقي ۱/۱۲۳)

حضرت جبیر ابن مطعمؓ فرماتے ہیں کہ جب مکہ فتح ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے اعلان کیا کہ جو اللہ تعالی پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے گھر میں کوئی بت نہ چھوڑے اسے توڑ کر جلا ڈالے اور بت کی قیمت حرام ہے۔

حضرت جبیرؓ نے فرمایا کہ اس سے قبل کی وہ حالت بھی میں دیکھ چکا ہوں کہ بتوں کو لے کر مکہ میں گھوما جاتا تھا اور دیہاتی لوگ انھیں خرید کر اپنے گھر لے جاتے تھے اور قریش کا کوئی آدمی ایسا نہیں تھا جس کے گھر میں بت نہ ہو، جب وہ گھر میں آتا تو بت سے برکت حاصل کرنے کے لئے اس پر ہاتھ پھیرتا اور گھر سے نکلتے وقت بھی ایسا ہی کرتا۔

علامہ ازرقی نے واقدی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے اعلان کیا تو مسلمان بتوں کو توڑنے لگے اور ابوجہل کے بیٹے حضرت عکرمہؓ جب مسلمان ہوئے تو ان کی یہ حالت تھی کہ قریش کے جس کسی گھر کے بارے میں انھیں اطلاع

ملتی کہ اس میں کوئی بت اور مورتی ہے تو وہاں جا کر اسے توڑ ڈالتے ۔

اور ہند بنت عتبہ جب مسلمان ہوئیں تو ان کے گھر میں ایک بت تھا جسے بسولے سے مار مار کر وہ ٹکڑے ٹکڑے کرتی جاتیں اور کہتی جاتیں کہ ہم تمہاری وجہ سے فریب اور دھوکے میں تھے ۔

صنم (بت اور مورتی) خواہ مجسمہ ہو یا کاغذ وغیرہ پر تصویر بنی ہو، اس کو خریدنا، اس کو بیچنا ناجائز ہے، اور اگر کسی نے بیچا تو اس کی قیمت حرام ہے، حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ کے سال مکہ مکرمہ میں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: إن الله ورسوله حرم بيع الخمر والميتة والخنزير والأصنام (بخاری کتاب البیوع ۱/ ۲۹۸) بے شک اللہ اور اس کے رسول نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کے بیچنے کو حرام کر دیا ہے ۔

حرم میں بتوں کی ابتدا کب اور کیسے ہوئی

قبیلۂ جُرہم جس کے کچھ افراد حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے زمانے میں ہی مکہ مکرمہ میں آباد ہو گئے تھے، پھر ایک زمانہ آیا کہ ان لوگوں نے حرم میں بڑی سرکشی اختیار کی اور ان میں سے اساف نامی ایک مرد اور نائلہ نامی ایک عورت نے کعبہ شریف کے اندر جا کر بدکاری کی تو اللہ تعالی نے ان دونوں کے جسموں کو پتھر کا بنا کر لوگوں کے لئے سامان عبرت بنا دیا، پھر ان دونوں کو خانۂ کعبہ سے نکال کر ایک کو کوہ صفا پر اور دوسرے کو کوہ مروہ پر نصب کر دیا گیا تا کہ لوگ انھیں دیدۂ عبرت سے دیکھیں اور اللہ کے عذاب اور اس کی پکڑ سے ڈریں، اور کوئی بھی اس جیسا گھناؤنا فعل حرم شریف کے اندر کرنے کی جرأت نہ کرے، ایک زمانے تک لوگ ان کو نفرت اور عبرت کی نظر سے دیکھتے رہے، لیکن وقت گزرتا رہا اور رفتہ رفتہ ان کی حقیقت لوگوں کے ذہنوں سے مٹتی گئی، یہاں تک کہ ایک وقت ایسا آیا کہ ان کی حقیقت سے نابلد لوگوں نے ان کو مقدس سمجھنا شروع کر دیا، پھر عمرو بن لحی نے ان کو چومنے، چاٹنے اور پوجا و پرستش کا حکم دیا، اور لوگوں کو یہ باور کرایا کہ تم سے پہلے لوگ ان دونوں کی پوجا کیا

کرتے تھے، اور اسی نے ہُبل نامی بت لاکر خانۂ کعبہ کے اندر نصب کردیا تھا جو قریش کا سب سے بڑا بت سمجھا جاتا تھا۔

پھر قُصی بن کلاب کے ہاتھوں میں جب مکہ مکرمہ کی امارت اور خانۂ کعبہ کی حجابت آئی تو اس نے ان دونوں مجسموں کو صفا ومروہ سے منتقل کرکے ایک کو خانۂ کعبہ کے متصل اور دوسرے کو زمزم کے پاس رکھوادیا اور بعد میں خانۂ کعبہ سے متصل جو مجسمہ تھا اسے بھی زمزم کے پاس لے جاکر رکھ دیا گیا،لوگ ان کی پوجا پاٹ کرتے، ان پر چڑھاوا چڑھاتے، وہاں قربانی کرتے اور بیت اللہ کے طواف کے وقت ان کا بوسہ لیتے۔

اور پھر ان بتوں میں اضافہ ہوتا رہا، یہاں تک کہ ان کی تعداد تین سو ساٹھ تک پہونچ گئی اور حرم گویا بت کدہ بن گیا اور قریش کا ہر گھر بت خانہ بن چکا تھا، اس ماحول میں جب مکہ فتح ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم حرم شریف کے اندر داخل ہوئے اور اپنی سواری پر بیت اللہ کا طواف کیا اور آپ یہ آیت کریمہ ''جاء الحق و زهق الباطل إن الباطل كان زهوقاً'' (حق آگیا اور باطل مٹ گیا، یقیناً باطل مٹنے ہی والا تھا) پڑھ رہے تھے اور آپ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی جس سے آپ بتوں کی طرف اشارہ کررہے تھے، اور آپ کے اشارے کی وجہ سے وہ بت گرتے چلے جاتے تھے، جس بت کی طرف سامنے سے اشارہ کرتے وہ پیچھے کی طرف الٹ جاتا اور جس کی طرف پیچھے سے اشارہ فرماتے وہ اوندھے منھ گرپڑتا، یہاں تک کہ تمام بت زمین بوس ہوگئے اور دیگر بتوں کے ساتھ ''اساف ونائلہ'' کو بھی توڑ دیا گیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دن جب نماز ظہر سے فارغ ہوئے تو تمام بتوں کو اکٹھا کرکے انھیں آگ لگانے کا حکم دیا، چنانچہ انھیں جلا کر خاکستر کردیا گیا، اور اسی دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان عام کرایا کہ جو شخص اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے گھر میں کوئی بت توڑے بغیر نہ چھوڑے۔

(أخبار مكه لأبي الوليد الأزرقي ۱/۱۱۷-۱۲۳)

اللہ سے کرے دور تو تعلیم بھی فتنہ

(مخلوط نظام تعلیم)

مولانا سیّد آصف ملّی ندوی

صدر جمعیۃ علماء ناندیڑ

وطن عزیز میں ملت اسلامیہ ان دنوں جن سنگین اور تشویشناک مسائل سے دو چار ہے ان میں سب سے اہم اور بڑا مسئلہ تعلیم یافتہ یا زیر تعلیم مسلم بچیوں کے غیر مسلم لڑکوں کے ساتھ دوستیوں، معاشقوں، ناجائز تعلقات، شادیوں اور ان کے ساتھ فرار ہونے کا ہے، گذشتہ ایک مختصر عرصے کے دوران ملک کے مختلف گوشوں سے سیکڑوں مسلم بچیوں کے دین و مذہب کو خیر باد کہہ کر گھروں سے بھاگ جانے کی روح فرسا خبریں مسلسل غیرت اسلامی کو منھ چڑا رہی ہیں اور ہم ہیں کہ اس تشویشناک صورتحال پر سوائے کف افسوس ملنے کے کچھ بھی نہیں کر پا رہے ہیں، بہت ہو گیا تو رائے زنی اور تبصروں کا ایمانی فریضہ ادا کر کے اس فتنہ کی سرکوبی کا ''مجاہدانہ کام'' انجام دے رہے ہیں؛ جب کہ صورت حال کی سنگینی کا تقاضہ ہے کہ ہم اس کے اسباب و محرّکات کو تلاش کر کے ان کا سدِّ باب کرنے کی کوشش کریں۔

اس کی بہت ساری وجوہات ہو سکتی ہیں جن پر مستقل و مفصل خامہ فرسائی کی جا سکتی ہے، سر دست اس فتنہ کے ایک بنیادی اور اہم ترین سبب کو ذکر کرنا ہے جس کو مغرب نے، اور سرمایہ دارانہ نظام و سامراجیت کو پوری دنیا پر تھوپنے والوں نے مستقل و منظم منصوبہ بندی کے ذریعے پوری دنیا میں رائج و نافذ کیا ہے؛ وہ ہے ہماری تعلیم گاہوں اسکولوں اور کالجوں میں رائج مخلوط نظام تعلیم (Co-Education System) جو ایک ایسا سمِّ

قاتل ہے جس نے ملت اسلامیہ کی نوجوان نسل کے اندر سے غیرت ایمانی اور حیا و شرافت کا جنازہ نکال کر رکھ دیا ہے۔

دراصل مغرب نے اسلام اور اسلامی تعلیمات کو دنیا سے دیس نکالا دینے کے لیے مسلمانوں کو زیر کرنے یا انھیں صفحۂ ہستی سے مٹانے کی بجائے تعلیم کے نام پر ان کی عقلوں اور مزاجوں کو مسخر کرنے کا کام کیا، جس کے ذریعے وہ ایک ایسی نسل تیار کرنا چاہتا تھا جو رنگ و نسل کے اعتبار سے اگرچہ مسلمان ہو؛ مگر افکار و نظریات اور مزاج و مذاق کے اعتبار سے پوری طرح مغرب کی فکر و نظر سے ہم آہنگ ہو۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں: ''یہ مغربی نظام تعلیم درحقیقت مشرق اور اسلامی ممالک میں ایک گہرے اور خاموش قسم کی نسل کشی کے مرادف تھا، عقلائے مغرب نے ایک پوری نسل کو جسمانی طور پر ہلاک کرنے کے فرسودہ اور بدنام طریقے کو چھوڑ کر اس کو اپنے سانچے میں ڈھال لینے کا فیصلہ کیا اور اس کام کے لیے جابجا مراکز قائم کیے جن کو تعلیم گاہوں اور کالجوں کے نام سے موسوم کیا'' (مسلم ممالک میں مغربیت اور اسلامیت کی کشمکش)۔

یہ بات ہم جانتے ہیں کہ انگریز جب ہمارے ملک پر غاصبانہ قابض ہوئے تو ان کا یہی خیال تھا کہ یہ ہندوستانی قوم اپنی تعلیم حاصل کر کے ہمارے اقتدار کے لیے خطرہ بن جائے گی؛ چنانچہ ان انگریزوں اور استعماری قوتوں نے اس ملک میں ایک ایسا مسموم نظامِ تعلیم نافذ کیا جس کے ذریعے انہوں نے ہماری نسلوں کی فکری و روحانی موت کا ایسا منظم منصوبہ تیار کیا جس کی تمام تر بنیاد انکارِ الوہیت اور خود غرضی و قوم پرستی پر رکھی گئی۔

اسلام کی نظر میں علم کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ انسان کو اپنے پیدا کرنے والے خالق و مالک کی معرفت حاصل ہو، اس کو شعور و آگہی حاصل ہو، اس کے اندر تحقیق و جستجو کی صلاحیت پیدا ہو، وہ تہذیبی اقدار سے آراستہ ہو، انسان صحیح معنی میں انسان بن جائے، اس کے اندر

خوداحتسابی، ایثار و ہمدردی، اور دوسروں کے حقوق کی ادائیگی کا احساس پیدا ہو؛ جب کہ مغربی تعلیم کی بنیاد انکارِ الوہیت اور خودغرضی وقوم پرستی پر مبنی ہے، اس میں اپنی ذات کے لیے خود احتسابی یا دوسروں کے لیے ایثار و ہمدردی کا کوئی تصور ہی نہیں ہے، تہذیبی اقدار، شرافتِ نفس اور حیاو پاک دامنی کے لیے اس نظام میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ ؎

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گذرگاہوں کا		اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا		آج تک فیصلۂ نفع و ضرر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاؤں کو گرفتار کیا		زندگی کی شبِ تاریک سحر کر نہ سکا

مغربی نظام تعلیم اور خصوصاً مخلوط نظام تعلیم چونکہ دین فطرت ''اسلام'' کے دیے گئے اصول وقوانین تعلیم کو نظر انداز کر کے؛ بلکہ اس کو ختم کرنے کے مقصد سے ترتیب دیا گیا ہے، لہٰذا جہاں کہیں بھی یہ نظام تعلیم نافذ کیا گیا، وہاں اس کے سنگین ومہلک اثرات ونتائج مذہب بیزاری، تہذیب واقدار سے دست برداری اور شہوت رانی وجنسی انارکی ہی کی شکل میں نمودار ہوئے ہیں، اور یہی وہ وجوہات ہیں جن کی وجہ سے اسلامی تعلیمات میں مخلوط نظامِ تعلیم کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔

ایسی بات نہیں ہے کہ دینِ اسلام تعلیمِ نسواں کا مخالف ہے؛ بلکہ وہ اجنبی مرد اور اجنبی عورتوں کی مخلوط معاشرت سے منع کرتا ہے، وہ مخلوط معاشرے کو نہ عبادات میں پسند کرتا ہے اور نہ ہی معاملات میں، اسلام تعلیم نسواں کو کتنی اہمیت دیتا ہے، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کی تعلیم وتربیت کے لیے ایک مخصوص دن مقرر فرمایا تھا جس میں آپ ان کو وعظ ونصیحت فرمایا کرتے تھے اور اگر کسی عذر کی وجہ سے آپ تشریف نہ لے جاسکتے تو آپ صحابۂ کرامؓ میں سے کسی کو ان کی تعلیم کے لیے روانہ فرمادیا کرتے تھے۔

اسلام عورت کو اجنبی مردوں کے ساتھ عدمِ اختلاط اور پردے کے پورے اہتمام کے ساتھ تعلیم کی اجازت دیتا ہے؛ لیکن وہ تعلیم کے ساتھ ساتھ صنف نازک کی نسوانیت کے تقدس کی حفاظت کو اس کی تعلیم سے کئی گنا زیادہ اہمیت دیتا ہے، وہ عورتوں کو حصول تعلیم سے منع نہیں کرتا ہے؛ بلکہ حصول تعلیم کے ان طریقوں سے منع کرتا ہے جن کے ذریعے اس کی نسوانیت کا تقدس پامال ہوتا ہو یا اس کی عصمت کے داغ دار ہونے کا خدشہ بھی پیدا ہوتا ہو، اور یہ بات بالکل روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ ہمارے ملک میں رائج موجودہ مخلوط نظامِ تعلیم ایک ایسا نظام ہے جو طلباء و طالبات کو ہمہ وقت گمراہی و آوارگی پر ابھارتا رہتا ہے، جس کی تباہ کاریوں اور مضر اثرات کی ایک لمبی فہرست ہے جس میں سرفہرست یہ بات ہے کہ وہ ہماری نوخیز نسل اور مستقبل کے معماروں سے سب سے پہلے حیا کی آخری رمق بھی چھین لیتا ہے۔

مخلوط نظامِ تعلیم کی تباہ کاریوں اور اس کے مضرات کو جاننے کے لیے ہمیں سب سے پہلے یہ سمجھنا ہوگا کہ مخلوط نظامِ تعلیم کیا ہے، اس کا آغاز کب اور کیوں ہوا؟

مخلوط نظام تعلیم کا مطلب یہ ہے کہ ایک ہی مضمون کی تعلیم ایک ہی جگہ، ایک ہی وقت اور ایک ہی طریقے سے لڑکے اور لڑکی دونوں کو بلا تفریق جنس ایک ساتھ دی جائے، نہ کوئی علیحدہ نشست کا نظم ہو نہ علیحدہ کلاس کا، مذہب اسلام میں اس طریقۂ تعلیم کا کوئی تصور ہی نہیں ہے، یہ لعنت ہمارے پاس مغرب کی اندھی تقلید کے طفیل آئی ہے، اس طریقۂ تعلیم کی ابتداء سب سے پہلے ۱۷۷۴ء میں امریکہ میں ہوئی، اس کے بعد ۱۸۶۷ء میں فرانس میں اور ۱۹۰۲ء میں انگلستان میں مخلوط تعلیم کا قانون پاس کیا گیا۔

مخلوط نظام تعلیم کے نقصانات

۱- تعلیمی معیار میں گراوٹ: دنیا کا کوئی بھی کام کامل توجہ اور مکمل یکسوئی کے بغیر

بحسن وخوبی انجام نہیں پا سکتا ہے، بعینہ یہی معاملہ تعلیم کا بھی ہے کہ اس کے حصول کے لیے کامل توجہ اور مکمل یکسوئی ازحد ضروری ہے؛ جب کہ مخلوط نظام تعلیم کے اداروں میں زیر تعلیم طلباء میں سب سے بڑا فقدان اسی ذہنی یکسوئی کا ہوتا ہے، وہ صنف مخالف کی توجہ حاصل کرنے کے لیے ہمہ وقت اپنے لب ورخسار، طرزِ ادا وگفتار، لباس واطوار اور اپنی چال ڈھال کو خوش نما و دیدہ زیب بنانے کے ''کارِخیر'' میں مگن ہوتے ہیں جس کی وجہ سے انھیں ذہنی یکسوئی بالکل بھی حاصل نہیں ہو پاتی ہے اور اس کا نتیجہ تعلیمی معیار کی پسماندگی اور گراوٹ کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔

۲- خوب سے خوب تر نظر آنے کی خواہش: یہ ایک فطری بات ہے کہ اگر کسی مرد یا عورت کو یہ پتہ چل جائے کہ کوئی غیر محرم صنف مخالف اس کو دیکھ یا اس کی باتیں سن رہا ہے تو عموماً وہ شخص اس صنفِ مخالف کو لبھانے یا اپنی طرف راغب کرنے کے لیے خود کو خوب سے خوب تر بنا کر پیش کرنے اور اپنے آپ کو منفرد دکھانے کی کوشش کرنے لگ جاتا ہے، یہی صورتِ حال مخلوط نظام تعلیم میں طلباء وطالبات کی ہوتی ہے کہ وہ تعلیم کے اوقات میں اپنے ہم جماعت ساتھیوں کی نظر میں اپنے آپ کو منفرد بنا کر پیش کرنے میں لگے رہتے ہیں اور اپنی اس انفرادیت کو برقرار رکھنے کے لیے وہ اپنا قیمتی وقت، پیسہ اور صلاحیت سبھی کچھ ضائع کرتے رہتے ہیں۔

۳- دوستی وناجائز تعلقات: دینِ اسلام اور اس کی تعلیمات میں اجنبی مرد وعورت یا لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان دوستی کا کوئی تصور ہی نہیں ہے، دینِ اسلام زنا اور حرام کاری کے ہر چور دروازے کو حرام قرار دیتا ہے اور یہ بات بالکل عیاں ہے کہ مخلوط نظامِ تعلیم کے اداروں میں زیر تعلیم طلباء وطالبات کا سب سے محبوب مشغلہ صنف مخالف میں دلچسپی لینا، ان سے مذاق ودل لگی کرنا، ایک دوسرے کی توجہ حاصل کرنے یا اپنی طرف راغب کرانے کے

مواقع تلاش کرتے رہنا، نوٹس اور درسی مضامین کی یادداشتوں کے تبادلہ کے نام پر تعلقات اور دوستیاں پیدا کرنا ہوتا ہے؛ چنانچہ آج ان اداروں میں یہ صورت حال ہے کہ وہاں کے نوخیز اور کم سن طلباء و طالبات کے درمیان گرل فرینڈ اور بوائے فرینڈ بنانے کی ملعون روایت فیشن زدہ، روشن خیال اور مہذب ہونے کی علامت بن چکا ہے۔

۴— حیاء وجھجک کا ختم ہونا: مخلوط نظام تعلیم کی اس پراگندہ فضا میں جہاں طلباء وطالبات ہمہ وقت گپ شپ، ہنسی مذاق، یاری دل لگی، اور دوستیاں وتعلقات پیدا کرنے میں لگے رہتے ہیں، سب سے بڑی زک اگر کسی چیز پر پڑتی ہے تو وہ حیاوجھجک ہے، اس ماحول میں سب سے پہلے طلباء وطالبات کے دل ونگاہ کی پاکیزگی اور حیاوجھجک کا جنازہ نکل جاتا ہے اور اس کی جگہ بے غیرتی وبے باکی اور بے شرمی وبے حیائی ان کے رگ وپے میں سرایت کرجاتی ہے، ان کے آپس کے تعلقات صرف دید تک محدود نہیں رہتے ہیں؛ بلکہ وہ دھیرے دھیرے گفت وشنید، بوس وکنار اور ہم آغوش ہوتے ہوئے وہاں تک جا پہنچتے ہیں جس کو بیان کرنے سے زبان قلم عاجز ہے۔

مغرب ویوروپ (جہاں سب سے پہلے یہ نظام تعلیم نافذ کیا گیا) کی نوجوان نسل کا یہ حال ہے کہ وہاں کے اسکول وکالجس میں زیر تعلیم ۸۰ سے ۹۰ فیصد طالبات تعلیمی سال کے اختتام تک متعدد مرتبہ اپنے ہم درس لڑکوں کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کرچکی ہوتی ہیں اور شاید یہی وہ صورت حال ہے جس نے علامہ اقبالؒ سے یہ اشعار کہلوائے۔ ؎

جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن		کہتے ہیں اسی علم کو اربابِ نظر موت
بیگانہ رہے دیں سے اگر مدرسۂ زن		ہے عشق ومحبت کے لیے علم وہنر موت

۵— تہذیبی اقدار سے بغاوت اور خاندانی نظام کی تباہی: مخلوط نظام تعلیم کا ایک بہت بڑا نقصان یہ ہے کہ اس کی نحوست سے ہماری نوجوان نسل اسلاف اور بزرگوں

کی روایات اور تہذیبی اقدار سے بغاوت کرتی جارہی ہے،جس کی وجہ سے ہمارا خاندانی نظام تباہ وبرباد ہوتا جارہا ہے، ہمارے یہ نوجوان اپنے ہم کلاس لڑکے یا لڑکی کے ساتھ تاکا جھانکی،نوک جھونک، چھیڑ چھاڑ اور گرل فرینڈ ،بوائے فرینڈ کرتے کرتے عشق ومحبت کی شکل میں ہوس کے اس ''اعلیٰ مقام'' تک پہنچ جاتے ہیں جہاں ایک دوسرے سے جنسی تسکین حاصل کیے بنا انھیں قرار نہیں ملتا، آخر کار وہ وقت آتا ہے کہ شرم وحیا اور غیرت کے پردوں کو پوری طرح چاک کرکے لڑکیاں خود اپنے والدین کو اپنی پسند سے آگاہ کرتی ہیں، زیادہ تر والدین اپنی بچیوں کی اس پسند کو قبول نہیں کرتے ہیں؛ کیونکہ وہ اس لڑکے کی دینی واخلاقی حالت سے مطمئن نہیں ہوتے ہیں، وہ سمجھ جاتے ہیں کہ اس کا مقصد محض وقتی لذت، جنسی تسکین اور لڑکی کے والدین کی مالی حیثیت سے فائدہ اٹھانا ہے،لڑکیاں اپنے والدین کو سمجھانے کی کوشش کرتی ہیں، اگر وہ مان جائیں تو ٹھیک ورنہ یہ لڑکیاں گھروں سے بھاگ کر اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ ''کورٹ میرج'' کرکے والدین اور پورے خاندان کی عزت کو رسوائی سے بدل دیتی ہیں۔

مخلوط نظام تعلیم کی ان تمام ترخباثتوں اور مضر اثرات کے باوجود بھی اگر لڑکیوں کو ان ہی اداروں میں اسی طرح ''روشن خیال'' اور ''مہذب'' بنانے کی دوڑ جاری رہی اور چراغِ خانہ کو شمعِ محفل بنانے کا عمل یوں ہی جاری رہا تو ڈر ہے کہ کہیں ان کے ارتداد اور ان کی عزت وناموس کی پامالی کے روح فرسا واقعات بڑھتے نہ چلے جائیں۔

لڑکیوں کو تعلیم ضرور دی جائے ؛لیکن ایسی تعلیم جو ان کی فطرت اور اسلامی تعلیمات کے مطابق ہو۔ اللہ ہمارا حامی وناصر ہو اور ہمیں صحیح وغلط کی سمجھ عطا فرمائے!(آمین)۔

قرآن حکیم کا لسانی اعجاز

ترجمہ وتلخیص وزیر احمد اعظمی ندوی، دوبئی

یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ قرآن کریم کی زبان پاکیزگی اور کمال وجلال کے بام عروج پر ہے، پاکیزگی اور کمال وجمال کی یہ بلندی قرآن کریم کے نظم، اس کے سیاق وسباق کے خصائص، اس کے الفاظ، رموز واوقاف، الفاظ کے تلفظ اور اس کے اثرات تک میں پنہاں ہے، اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ دعوت اسلامی کی ابتداء میں جو لوگ ایمان لائے، انکے ایمان لانے میں قرآن کریم نے سب سے کارگر رول ادا کیا ہے، اس لئے کہ اس وقت اسلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی طاقت نہیں تھی، اور نہ انہیں کوئی غلبہ حاصل تھا، عربی زبان پر قرآن حکیم کی حاکمیت مسلمہ امر ہے، یہ مشیت ایزدی ہے کہ اس نے عربی زبان کو وحی کی زبان بنادی، مزید یہ حقیقت بھی اظہر من الشّمس ہے کہ قرآن حکیم کی حفاظت انسانی کارنامہ نہیں ہے، بلکہ یہ وعدہ خداوندی ہے (**انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون**۔ آئندہ سطروں میں ہم ان حقائق پر مزید روشنی ڈالیں گے۔

۱— قرآن حکیم، فصاحت وبلاغت کے اعلی معیار کو سموئے ہوئے ہے، اس دعوی کی دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت اور آپ کے دعوی کی سچائی پر دلیل اور حجت بن کر آیا، اور وہ بھی ایسے لوگوں کے درمیان جن میں بڑے بڑے شعراء اور بلند پایہ خطباء موجود تھے، یہیں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن کریم بلاغت کے سارے فنون کا جامع اور فصاحت وبیان کی ساری خوبیوں پر مشتمل ہے، نظم میں محکم ہے، یہاں تک کہ الفاظ اپنی خوبصورتی اور وضاحت میں معنی کے مطابق ہیں، جب آپ قرآن حکیم کا مطالعہ انصاف اور عقل کا دامن تھام کر کریں گے تو آپ اس نتیجہ پر پہونچیں گے کہ قرآن کریم

کے الفاظ اس کے معانی کے مطابق ہیں۔اوراس میں کوئی شک نہیں کہ اس سے عربوں کے اس موقف کی وضاحت ہوتی ہے جوانہوں نے قرآن کریم کے نزول کے وقت اپنایا تھا،اور جوموقف پسندیدگی حیرت اوراستعجاب کا تھا،لیکن ان کی بدنیتی اور باطنی خبث نے ان کو اس دعوت پرلبیک کہنے سے باز رکھا،مکہ مکرمہ کی بہتیری سربرآوردہ شخصیات نے اپنے اس موقف کی وضاحت کی ہے۔

عتبہ بن ربیعہ نے جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سورہ فصلت کی چند آیات سنیں اوروہ اپنی قوم کے پاس واپس آیا،تولوگوں نے پوچھا:ابوالولید کیاماجرا ہے؟ توعتبہ بن ربیعہ یوں گویا ہوا''میں نے اس سے پہلے اس جیسا کلام کبھی نہیں سنا،نہ تو وہ شعر ہے،نہ جادواور نہ کہانت،میری بات سنواس آدمی کواور جووہ کہتا ہے اسی حال پر چھوڑ دو'' تاریخ اورسیر کی کتابوں میں ولید بن مغیرہ کا یہ قول جلی حرفوں میں لکھا ہوا ہے''یقینا اس کلام میں شیرینی اورتازگی ہے،اس کا اوپری حصہ پھل داراوراس کا نچلا حصہ فیض رساں ہے،اسے غلبہ ہوگا،مغلوب نہیں ہوگا''۔

۲–قرآن حکیم اس لئے بھی معجزہ ہے،کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عربوں کو چیلنج کیا،اورآپ کے چیلنج کا جواب نہیں دیا گیا،قرآن کریم کی چند وہ آیات درج ذیل ہیں جن میں مشرکین مکہ کو چیلنج دیا گیا ہے۔**فلیاتوا بحدیث مثلہ**۔سورہ طور–اس جیسی بات لیکرآؤ،پہلے پورے قرآن کریم جیسی کتاب لانے کا چیلنج دیا گیا،جب وہ اس سے بےبس ہو گئے تو یہ آیت نازل ہوئی''**قل فاتوا بعشر سور مثلہ**''سورہ ھود؛تم اس جیسی دس سورتیں بنا کرلاؤ،جب وہ یہ بھی نہ کرسکے ان کوایک سورۃ بنا کرلانے کا چیلنج دیا گیا،ارشاد باری تعالی ہے''**فأتوا بسورۃ من مثلہ**''سورۃ البقرۃ–جب وہ چھوٹی سے چھوٹی سورہ بھی نہیں پیش کرسکے تو ان پرحجت واضح ہوگئی اور کھلے طور پروہ قرآن کریم سے کٹ گئے۔

امام تفتازانی نے شرح المقاصد میں بہت عمدہ بات لکھی ہے،وہ لکھتے ہیں:رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن حکیم کے ذریعہ عربوں کو چیلنج کیا،قرآن کریم جیسی ایک سورہ پیش کرنے کی

عرب فصحاء اور بلغاء کو دعوت دی، جبکہ اس وقت فصحاء اور بلغاء کی کمی نہیں تھی، بلکہ ان کی تعداد بطحاء کی کنکریوں کی طرح تھی، اور جاہلی تعصب وحمیت میں مشہور تھے، لیکن وہ قرآن کریم جیسی ایک سورہ نہیں پیش کر سکے، انہوں نے قرآن حکیم جیسی ایک سورہ پیش کرنے کے بجائے جنگ وجدال کو ترجیح دی، اوراس کے لئے اپنی جان ومال کے نذرانے پیش کئے، اگر وہ قرآن کریم کا مقابلہ اپنی زبان وادب سے کر سکتے تو ضرور کرتے، اگر زبان وبیان کے ذریعہ مقابلہ آرائی کی ہوتی تو تاریخ میں اسکی نظیر ضرور ملتی۔ (اعجاز القرآن بین النظریۃ والتطبیق، د، حفنی محمد شرف)

یقینا تاریخ نے ان اہل زبان کی اس بے بسی کو قرآن کریم کے نزول کے وقت ہی سے محفوظ کر رکھا ہے، جب کہ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ قرآن حکیم کے نزول کے وقت زبان وادب تہذیبی ارتقاء کے اعلی مراحل میں تھے، عربی زبان کے لئے مجالس ومحافل کے انعقاد کا رواج جتنا عرب معاشرہ میں تھا اتنا کسی انسانی معاشرہ میں نہیں تھا، یہی وجہ ہے کہ عربی اس وقت بہت طاقتور زبان تھی، انسانی کوششوں کے سہارے اس زبان کے کلمات اور اسلوب کو تہذیبی ارتقاء ملا، اس دعوی کا ثبوت صحراء میں ہونے والی مجلسیں، جگہ جگہ قائم شدہ منبر اور عربوں کے وہ بازار ہیں، جہاں پر وہ اپنا قیمتی سامان تجارت پیش کرتے، اپنی بہترین مصنوعات کی نمائش کرتے، یہاں سامانوں اور مصنوعات کی صرف نمائش نہیں ہوتی، بلکہ کلام کی پونجی اور شعر وخطابت کی خوبیوں کا مظاہرہ ہوتا، جس میں وہ ایک دوسرے سے سبقت کی کوشش کرتے، اور ان میں سب سے بہتر کلام کا انتخاب عمل میں آتا اور اسکی خوب پذیرائی ہوتی اس پر فخر کیا جاتا، ان کی یہ مقابلہ آرائی قابل دید ہوتی اور اس میں مرد وعورت یکساں شریک ہوتے۔

حضرت حسان اور خنساء کے اشعار کسی صاحب زبان سے مخفی نہیں ہیں، لیکن قرآن حکیم کے نازل ہوتے ہی یہ ساری مارکیٹیں کساد بازاری کا شکار ہوگئیں، تمام مجلسیں بے رونق ہوگئیں، قران حکیم کے ہم مقابل کلام نہیں پیش کیا جاسکا، کوئی صاحب زبان یہ تجویز بھی نہ پیش کرسکا کہ قرآن کریم کے ایک لفظ کو دوسرے لفظ سے تبدیل کردیا جائے، یا کسی لفظ

کا حذف واضافہ کردیا جائے ، یا کسی کلمہ کی تقدیم وتاخیر کردی جائے ، جب کہ قرآن کریم نے مقابلہ کا دروازہ بند نہیں کیا ، بلکہ مقابلہ کا دروازہ کھلا رکھا ، انفرادی اور اجتماعی دونوں حیثیتوں سے مقابلہ آرائی کی دعوت دی ، اور اس چیلنج کو بار بار مختلف صورتوں میں پیش کیا۔

اور اس چیلنج میں ان کی سہولیات کو بھی مدنظر رکھا ، شروع شروع میں ان کو قرآن حکیم جیسا کلام پیش کرنے کی دعوت دی گئی ، پھر دس سورتیں بنا کرلانے کا حکم دیا گیا ، پھر ایک سورہ یا ایک سورہ جیسی سورہ پیش کرنے کا مطالبہ کیا گیا ، اور ان کو اجازت بھی دی گئی کہ وہ جن سے چاہیں معاونت حاصل کریں ، آخر میں ان کی اور ساری دنیا کی عاجزی اور بے بسی کا اعلان ان واشگاف لفظوں میں سامنے آ گیا۔(**قل لإن اجتمعت الإنس والجن علی أن یأتوا بمثل هذاالقرآن لا یأتون بمثله ولو کان بعضهم لبعض ظهیرا** .(سورۃ الإسراء)

اور دوسری جگہ ارشاد ہے :**فإن لم تفعلو اولن تفعلوا فاتقوا النار التي وقودها الناس والحجارة أعدت للکفرین** (سورۃ البقرۃ)

ڈاکٹر عبداللہ دراز نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب (النبا العظیم) میں کیا خوب لکھا ہے

''غور کیجئے کس طرح کی دعوت مبارزت ہے ، قرآن کریم نے قطعی حکم لگادیا ہے ، وہ ہرگز ایسا نہیں کرسکتے ، پھر ان کو آگ کی دھمکی دی ، پھر پتھروں سے ان کو صفحہ ہستی سے نیست ونابود کرنے کی وعید سنائی گئی جو اس حقیقت کو آشکارا کرتی ہے کہ اگر کوئی صاحب زبان مقابلہ کے لئے ہوتا تو ضرور اٹھتا کیونکہ وہ سخت ترین دشمن ، اور ظلم وزیادتی کے خلاف آواز اٹھانے والے تھے ، .... یہاں تک کہ قنوطیت اور مایوسی انکا مقدر بن گئی .... ، حروف کے ذریعہ مقابلہ کے بجائے جنگ وجدال کا راستہ اپنایا ، اور یہی ایک ایسا حیلہ ہے جس کا ہر وہ مغلوب قوم سہارا لیتی ہے ، جو اپنے مدمقابل کو دلیل وحجت سے قائل نہیں کرسکی ، اور علم وزبان سے مقابلہ آرائی کی سکت نہیں رکھتی ، قرآن کے نزول پر ایک عرصہ گذر گیا لیکن یہ چیلنج آج بھی قائم ہے''۔

عربی زبان میں قرآن حکیم کا نزول مذہب اور انسانیت کی تاریخ میں ایک عظیم

انقلاب تھا، یہ اس وجہ سے کہ دعوت اسلام کے لئے ایک آیت کے نزول نے تاریخی طور پر عربی زبان وادب اور اس آیت کے درمیان ایک تاریخی پہلو کو اجاگر کیا ہے، اس طور پر کہ یہ بیان قرآن کریم کی وضاحت کرتا ہے اور قرآن سے اس بیان کو زندگی ملتی ہے، قرآن حکیم کے نزول نے عربی زبان وادب کی حفاظت وبقاء کے درج ذیل نتائج کی ضمانت دیدی۔

۱– تمام کی تمام عرب فصیح زبان کے استعمال پر مجبور ہوگئے، کیونکہ یہ وحی وعقیدہ کی زبان ہے۔

۲– عامی لہجے مخصوص افراد کے درمیان گفتگو کی حد تک محدود ہوکر رہ گئے، اور فصیح زبان کا استعمال زیادہ ہونے لگا۔

۳– امتداد زمانہ اور نسلوں کی آمدورفت فصیح زبان پر اثر انداز نہیں ہوسکے۔

۴– عربی زبان کے دائرہ میں وسعت پیدا ہوگئی، اور دنیا کے تمام مسلمان تک یہ زبان پہونچ گئی، دنیا کے سارے مسلمان قرآن کریم کو عربی زبان ہی میں پڑھتے ہیں، اور اس کے حروف کی تلاوت کو عبادت سمجھتے ہیں، اور اپنی زبان کی حفاظت وبقاء کو عربی زبان وادب کو ذریعہ بنایا، اور یہ خود ایک ایسی کامیابی ہے جس کا سہرا قرآن حکیم کے سر ہے۔

۵– اور سب سے زیادہ اہم نتیجہ یہ ہے کہ نزول قرآن کریم، قرآن کریم کی لسانی علامت اور عربی زبان کی علمی اور لسانی صلاحیت واستعداد کا اعلان ہے، جو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ یہ زبان تہذیب وتمدن کے مفاہیم اور اس کی تعبیر پر قادر ہے، خواہ اس کا معیار کچھ ہو، کیونکہ وہ زبان جو اپنے دامن میں قرآن حکیم اور اس کی آیات کو سمونے کی قدرت رکھتی ہے، تو وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ ہر زمانہ میں وہ انسان کی ترقی کے کسی بھی معیار کو اپنے دامن میں سمولے۔

قرآن کریم کی حفاظت اور بقاء کا حتمی اعلان عربی زبان کی حفاظت اور بقاء کا اعلان ہے، اور یہ اعلان مندرجہ ذیل اسباب کی وجہ سے ہے:

۱– غور وفکر میں قرآن حکیم کا استدلالی طریقہ کار عربوں کے اصطلاح کی بنیاد پر ہے، اس لئے فصیح زبان سے واقفیت عرب اور مسلمانوں کی زندگی میں استدلال کی صحت کے لئے ضروری ہے۔

۲ — قرآن کریم نے عربوں کے ذریعہ انسان کو خطاب کیا ہے، اس لئے عربوں کی زندگی سے واقفیت اس قرآنی خطاب کے مراتب کو جاننے کے لئے ضروری ہے۔

۳ — قرآن کریم کے نزول کے وقت ہی سے قرآن کریم کی تلاوت، اس کا حفظ شرعی طور پر عبادت اور عمل کی درستگی کے لئے شرط ہے، قرآن کریم اور عربوں کے درمیان اس گہرے ربط نے تمام مسلمانوں کو اس شریف زبان کی حفاظت، اس کی تدوین اور اس کی حفاظت و بقاء کے مختلف طریقے اپنانے پر مجبور کیا ہے، اس عظیم جدو جہد کی وجہ سے جو عربی زبان وادب کے علماء نے کی ہے وہ تمام کوششیں ناکام ہوگئیں جو اس زبان کو اس کے اصول سے ہٹانے کے لئے کی گئیں، اسی طرح اس زبان کی حفاظت میں ان شروط نے بھی اہم رول ادا کیا ہے جو علمائے زبان نے روایت کی صحت کے لئے وضع کی ہیں، مختلف لہجات کے بارے میں گفتگو کی ہے کہ وہ صحیح ہیں یا سقیم، متروک ہیں یا شاذ یا منکر، اس عظیم جدو جہد کا نتیجہ یہ نکلا کہ عربی زبان کے اصول وفروع اور نئے الفاظ وتراکیب کے درمیان رشتہ استوار ہوگیا، اور وہ تمام علوم جو مسلمانوں کے وضع کردہ ہیں اور ان تمام علمی اصطلاحات جن کو اسلام کے دور عروج میں وضع کیا گیا تھا، ان کو اپنے اندر سمونے کی وسعت رکھتی ہے، اس طرح اول وآخر اور قدیم وجدید کے درمیان ربط وتعلق گہرا ہوگیا، اور ادباء شعراء کے درمیان تعلق وربط مستحکم ہوگیا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن حکیم اس روئے زمین پر آسمانی پیغام ہے، جو اس کو اس نہج پر سمجھنے کی کوشش کرے گا، وہ اس کی عظمت، مواقع اعجاز، عربی زبان پر قرآن کریم کی تاثیر اور مسلمانوں کی زندگی، ان کے عقیدہ اور اخلاق پر اس کے اثرات کو واضح طور پر محسوس کرے گا، کیونکہ یہ سارے جہان کے پالنہار کی طرف سے نازل کردہ کتاب ہے، یہ قرآن حکیم کمال وجمال کی بلندی پر فائز کتاب حکمت ہے، جو اصحاب عقل کو اپنے کمال اور اس کی بلندیوں اور عظمتوں کو آشکارا کرنے کی دعوت دیتی ہے۔

ہمارے معاشرے کی چند برائیاں
اور
ان کی اصلاح کی کوشش

مولانا محمد نجیب قاسمی (ریاض)

ہمارے معاشرے کی مختلف برائیوں میں سے چند برائیاں کافی عام ہوگئی ہیں، ہمیں مشترکہ طور اُن کی اصلاح کی کوشش کرنی چاہیے۔

بچوں کی دینی تعلیم وتربیت کا فقدان

قرآن وحدیث میں علم کی اہمیت پر بار بار تاکید فرمائی گئی ہے، حتی کہ پہلی وحی کا پہلا لفظ اقرا بھی اسی طرف راہ نمائی کرتا ہے، مگر عصر حاضر میں ہم نے اِن تمام آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ کا تعلق عملی طور پر دنیاوی تعلیم سے جوڑ دیا ہے، حالاں کہ قرآن وحدیث میں جہاں جہاں بھی علم کا ذکر آیا ہے، وہاں وضاحت موجود ہے کہ اُسی علم سے دونوں جہاں میں بلند واعلیٰ مقام ملے گا جس کے ذریعہ اللہ کا خوف پیدا ہو، جو تقدیر پر ایمان کی تعلیم دیتا ہو اور جس کے ذریعہ انسان اپنے حقیقی خالق ومالک ورازق کو پہچانے اور ظاہر ہے کہ یہ کیفیت قرآن وحدیث اور اِن دونوں علوم سے ماخوذ علم سے ہی پیدا ہوتی ہے۔

اِن دنوں ہم عصری تعلیم کو اس قدر اہمیت دے رہے ہیں کہ بچوں اور بچیوں کو، بالغ ہونے کے باوجود، اس لیے نماز کی ادائیگی کا اہتمام نہیں کروایا جاتا، روزہ نہیں رکھوایا جاتا اور قرآن کریم کی تلاوت نہیں کرائی جاتی کہ ان کو اسکول جانا ہے، ہوم ورک کرنا ہے، پروجیکٹ تیار کرنا ہے، امتحان کی تیاری کرنی ہے، وغیرہ وغیرہ، یعنی دنیاوی تعلیم کے لیے ہر طرح کی جان ومال اور وقت کی قربانی دینا آسان ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے میں دشواری محسوس ہوتی ہے، جس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے

کہ جوطلبہ عصری درس گاہوں سے پڑھ کرنکل رہے ہیں اُن میں سے ایک بڑی تعداد دین کے ضروری مسائل سے ناواقف ہوتی ہے، یقینا ہم اپنے بچوں کوڈاکٹر، انجینئر اور پروفیسر بنائیں،لیکن سب سے قبل ان کومسلمان بنائیں، لہٰذا اسلام کے بنیادی ارکان کی ضروری معلومات کے ساتھ حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور اسلامی تاریخ سے ان کوضرور بالضرور روشناس کرائیں، اگر ہمارا بچہ ڈاکٹر یا انجینئر یالیکچرار بنا،لیکن شریعت اسلامیہ کے بنیادی احکام سے ناواقف ہےتوکل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنےہمیں جواب دینا ہوگا۔

ٹی وی اور انٹرنیٹ کا استعمال

معاشرے کی بے شمار برائیاں ٹی وی اور انٹرنیٹ کے استعمال سے پھیل رہی ہیں، لہٰذا اپنے آپ کوبھی اور اپنی اولادوگھر والوں کوبھی ان برائیوں سے دور رکھیں، تاکہ یہ ہمارے ماتحتوں کی آخرت میں ناکامی کا سبب نہ بنیں، کیوں کہ ہم سے ہمارے ماتحتوں کے متعلق بھی سوال کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کواُس آگ سے بچاؤجس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔(سورۃ التحریم)

کرکٹ دیکھنے میں وقت ضائع کرنا

بعض حضرات کرکٹ میچ دیکھنے، اس سے متعلق دیگر معلومات حاصل کرنے اور آئندہ کے میچوں میں جیت ہار کے اندازے، نیز اس کے متعلق بحث ومباحثہ میں اپنی زندگی کا قیمتی وقت لگاتے ہیں، میں یہ نہیں کہتا کہ یہ سارے امور حرام ہیں اور ہمیں اپنی پسند کی ٹیم کو داد وتحسین سے نوازنے کا حق نہیں ہے،لیکن ہمیں غور وفکر کرنا چاہیے کہ ان امور میں وقت صرف کرنا اب تک ہماری زندگی میں کتنا نفع بخش ثابت ہوا؟! لہٰذا عقل مندی اسی میں ہے کہ کرکٹ کھیلنے یا میچ دیکھنے میں ہماری مشغولیت اللہ کے احکام، مثلاً نماز کی ادائیگی سے مانع نہ بنے، قیامت کے دن کسی انسان کا قدم اللہ تعالیٰ کے سامنے سے ہٹ نہیں سکتا جب تک کہ وہ پانچ سوالات کا جواب نہ دے دے : زندگی کہاں گزاری؟، جوانی کہاں لگائی؟، مال

کہاں سے کمایا؟،یعنی حصول مال کے اسباب حلال تھے یا حرام؟، مال کہاں خرچ کیا؟ یعنی مال سے متعلق اللہ اور بندوں کے حقوق ادا کیے یا نہیں؟،علم پر کتنا عمل کیا؟(ترمذی)

بندوں کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی

جن کبیرہ گناہوں کا تعلق حقوق اللہ سے ہے،مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کی ادائیگی، ان میں کوتاہی کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کرنے پر اللہ تعالیٰ معاف فرمادے گا، ان شاء اللہ، لیکن اگر گناہوں کا تعلق بندوں کے حقوق سے ہے،مثلاً کسی شخص کا سامان چرایا یا کسی شخص کو تکلیف دی یا کسی کو گالی دی یا کسی شخص کا حق مارا تو قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کی معافی کے لیے سب سے پہلے ضروری ہے کہ جس بندے کا حق ہے، اس کا حق ادا کیا جائے یا اس سے حق معاف کروایا جائے، پھر اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ واستغفار کے لیے رجوع کیا جائے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: ہمارے نزدیک مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس کوئی پیسہ اور دنیا کا سامان نہ ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت کا مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن بہت سی نماز، روزہ، زکوٰۃ (اور دوسری مقبول عبادتیں) لے کر آئے گا، مگر حال یہ ہوگا کہ اس نے کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا یا کسی کو مارا پیٹا ہوگا تو اس کی نیکیوں میں سے ایک حق والے کو (اس کے حق کے بقدر) نیکیاں دی جائیں گی، ایسے ہی دوسرے حق والے کو اس کی نیکیوں میں سے (اس کے حق کے بقدر) نیکیاں دی جائیں گی۔ پھر اگر دوسروں کے حقوق چکائے جانے سے پہلے اس کی ساری نیکیاں ختم ہوجائیں گی تو (ان حقوق کے بقدر) حق داروں اور مظلوموں کے گناہ (جو انہوں نے دنیا میں کیے ہوں گے) ان سے لے کر اس شخص پر ڈال دیے جائیں گے اور پھر اس شخص کو دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔(مسلم)

بے پردگی

پاکیزہ معاشرہ اور صاف ستھری سوسائٹی کے لیے عورتوں کو گھروں میں رکھ کر گھریلو

ذمہ داریاں ان کو دی گئیں اور مردوں کو باہر کی ذمہ داریوں کا پابند کر کے مردوں اور عورتوں کے باہمی اختلاط سے حتی الامکان روکا گیا، تا کہ ایک صاف ستھرا اور پاکیزہ معاشرہ وجود میں آسکے اور مسلم معاشرے کی یہ خصوصیت اب تک باقی تھی اور تقریباً پچیس سال سے مغربی تہذیب سے ہمارا معاشرہ بری طرح متاثر ہوا ہے اور افسوس وفکر کی بات ہے کہ اس کا مقابلہ کرنے کے بجائے بعض مسلم دانش وراس کوشش میں ہیں کہ بے پردگی کو جواز کا درجہ دے دیا جائے۔اسی پس منظر میں قرآن وحدیث کی روشنی میں چند باتیں پیش خدمت ہیں:

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مردوں اور عورتوں کو مشترکہ حکم **يَحْفَظُوا فُرُوْجَهُمْ** اور **يَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُن** (سورہ النور) کے الفاظ میں دیا ہے، قرآن کریم میں بہت سے مقامات اور احادیث میں بکثرت یہ حکم وارد ہوا ہے، یہ سب کو معلوم ہے کہ شرم گاہ کی حفاظت پردہ سے ہی ہوتی ہے، اور عصمت دری کی ابتدا بے پردگی سے ہو کر زنا کی حد تک جا پہنچتی ہے، چناں چہ مشہور حدیث میں اس کی طرف اشارہ ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے آنکھ بھی زنا کرتی ہے اور آنکھ کا زنا بد نگاہی ہے اور شرم گاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کر دیتی ہے۔(صحیح بخاری) اسی طرح فرمان الٰہی ہے: **وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنّ** (سورہ النور) عورتوں کو زمین پر پیر پٹخ کر چلنے کی ممانعت اس لیے ہے کہ کہیں پازیب کی جھنکار وزینت سے کوئی گرویدہ نہ ہو جائے، اگر پازیب کی آواز کو پردہ میں رکھا گیا ہے تو کیا یہ ممکن ہے کہ ایک عورت کو زیب وزینت کے ساتھ بے پردہ گھومنے کی اجازت دی جائے، نہیں، ہرگز نہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کسی عورت کو پیغام نکاح دینے کا ارادہ ہو تو اس کو دیکھ لینے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔(مسند احمد) اس حدیث میں صرف پیغام نکاح دینے والے کو غیر محرم عورت کو دیکھنے میں گناہ سے مستثنیٰ کرنے کا مطلب واضح ہے کہ غیروں کو دیکھنے اور دکھانے میں گناہ ہوگا، نیز حالت احرام میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث کہ جب مردوں کا گزر ہوتا تھا تو ہم عورتیں اپنے چہروں کو ڈھانک لیتی

تھیں، حالاں کہ حالت احرام میں چہرہ کا کھولنا واجب ہے، لیکن ایک عمومی واجب پر عمل کرنے کے لیے تھوڑی دیر کے لیے ہی سہی، احرام کے واجب کو ترک کر دیتی تھیں، ورنہ اگر چہرہ کا پردہ عام حالت میں صرف مستحب ہوتا تو استحباب کے لیے صحابیات اور خاص طور سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ترک واجب نہ کرتیں۔ (ابوداود)

مہر کی ادائیگی نہ کرنا

مہر عورت کا حق ہے، اس کو نکاح کے وقت متعین اور صحبت سے قبل ادا کرنا چاہیے۔
مہر میں حسب استطاعت میانہ روی اختیار کرنی چاہیے، نہ بہت کم اور نہ بہت زیادہ۔

اللہ تعالیٰ نے اس موضوع کی اہمیت کے پیش نظر قرآن کریم میں تقریباً سات جگہوں پر مہر کا ذکر فرمایا ہے، لہٰذا ہمیں مہر ضرور ادا کرنا چاہیے، اگر ہم بڑی رقم مہر میں ادا نہیں کر سکتے اور لڑکی کے گھر والے مہر میں بڑی رقم متعین کرنے پر بضد ہیں، جیسا کہ ہمارے ملکوں میں عموماً ہوتا ہے، تو ہمیں حسب استطاعت کچھ نہ کچھ مہر ضرور نقد ادا کرنی چاہیے (اور باقی موجل طے کرلیں) جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کی زرہ فروخت کرا کے مہر کی ادائیگی کرائی۔

آج ہم جہیز اور شادی کے اخراجات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں، لیکن مہر کی ادائیگی جو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اس سے کتراتے ہیں، مقدار مہر کی تعیین میں بے اعتدالی نہ برتی جائے، اس کی مقدار اتنی ہو کہ مرد بآسانی ادا کردے۔

فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے: عورتوں کے مہر کے معاملے میں غلو نہ کرو کہ عداوت کا سبب بن جائے۔ (مسند احمد)

رشوت

رشوت کا مطلب ہے اپنے جائز یا ناجائز مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے اہل منصب کو روپے یا کوئی دوسری چیز پیش کرنا، موجودہ دور میں اس لین دین کو ہدیہ یا نذرانہ کا خوب صورت نام

دیا جاتا ہے،لیکن درحقیقت یہ رشوت ہے، رشوت کی مذمت اوراس کے لینے اور دینے والوں پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی سخت وعیدیں بیان کی ہیں، چناں چہ فرمان رسول ہے: رشوت لینے اور دینے والے پر اللہ کی لعنت برستی ہے۔(ابن ماجہ) ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رشوت لینے اور دینے والا دونوں ہی دوزخ میں جائیں گے۔(طبرانی)

اسلام کی نظر میں جس طرح رشوت لینے اور دینے والا ملعون اور دوزخی ہے، اسی طرح اس معاملہ کی دلالی کرنے والا بھی حدیث رسول کی روشنی میں ملعون ہے،صحابی رسول حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت لینے اور دینے والے اور رشوت کی دلالی کرنے والے سب پر لعنت فرمائی ہے۔(مسند احمد وطبرانی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ قاضی کا کسی سے رشوت لے کر اس کے حق میں فیصلہ کرنا کفر کے برابر ہے اور عام لوگوں کا ایک دوسرے سے رشوت لینا سُحت یعنی حرام، ناپاک کمائی ہے۔(طبرانی)

جس وقت قرآن کریم نے سود کو حرام قرار دیا اس وقت عربوں میں سود کا لین دین متعارف اور مشہور تھا اور اُس وقت سود اُسے کہا جاتا تھا کہ کسی شخص کو زیادہ رقم کے مطالبہ کے ساتھ قرض دیا جائے،خواہ لینے والا اپنے ذاتی اخراجات کے لیے قرض لے رہا ہو یا پھر تجارت کی غرض سے، نیز وہ صرف ایک مرتبہ کا سود ہو یا سود پر سود، مثلاً زید نے بکر کو ایک ماہ کے لیے ۱۰۰ روپے بطور قرض اس شرط پر دیے کہ وہ ۱۱۰ روپے واپس کرے،تو یہ سود ہے، بینک میں جمع شدہ رقم پر پہلے سے متعین شرح پر بینک جو اضافی رقم دیتا ہے وہ بھی سود ہے۔

سود کی حرمت قرآن وحدیث سے واضح طور پر ثابت ہے،جس کے حرام ہونے پر پوری امت مسلمہ متفق ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں ان تمام مذکورہ برائیوں سے محفوظ رہ کر دنیاوی فانی زندگی گزارنے والا بنائے،آمین۔

خواتین کی نماز مسجد میں

مفتی توقیر بدر القاسمی

ڈائریکٹر المرکز العلمی للإفتاء والتحقیق سوپول دربھنگہ بہار

آج کل جب سے پونا شہر کے ایک مسلم جوڑے نے سپریم کورٹ جاکر ''مسجد'' میں ''مسلم خواتین کی نماز کی ادائیگی'' کولیکر اپنا مقدمہ رکھا ہے، تب سے میڈیا پر خاتون اور مسجد میں ان کی ادائیگی نماز کو لے کر ایک شور سا برپا ہے۔

اس بابت پہلی بات تو یہ ہے کہ درخواست گزار کی بات سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ ''عام مساجد کل ہند'' کا میٹر نہیں ہے، بلکہ کسی ایک مسجد سنی (بریلوی) کی ہے جس میں بازار سے لوٹتے ہوئے شوہر کے جانے کے بعد اس کی اہلیہ کو وہاں کی انتظامیہ یا گیٹ پر مامور شخص نے مسجد کے اندر جانے سے روک دیا، بدقسمتی یہ بھی ہوئی کہ کسی دینی ادارے سے معلوم کیا گیا تو اس نے بھی روکے جانے کی تائید کردی، جسے انتہائی بدبختانہ عمل ہی کہا جا سکتا ہے، کیونکہ ایک نماز کی پابند مسلم خاتون کو اس طرح، وہ بھی دورانِ سفر مسجد میں نماز کی ادائیگی سے روکنا شریعت سے مکمل ناواقفیت کی دلیل ہی کہی جاسکتی ہے، بلکہ دین کے نام پر بے دینی والی غنڈہ گردی بھی کہا جائے تو کم ہے۔

دوسری بات! خواتین پر مساجد میں جا کر نماز ادا کرنے کے سلسلے میں کوئی پابندی نہیں ہے، البتہ جو خواتین فرمان نبوی کے مطابق محتاط ہو کر گھر میں ہی ادائیگی نماز کو ترجیح دیتی ہیں، وہ بلاشبہ افضلیت کی مستحق ہیں۔

تیسری بات! یہ کہ جب معاملہ فقط ایک خاص مسجد کا تھا عام مساجد کا نہیں، کیونکہ وہ خود جماعت اسلامی کے مساجد کو پابندی سے مستثنیٰ قرار دیتے نظر آتے ہیں، لہٰذا انہیں اگر عدالت ہی جانا تھا تو اصولی طور پر انہیں اس مخصوص مسجد کی انتظامیہ کو فریق بنا کر اپنی بات

رکھنی تھی، مگر انہوں نے یا ان کے وکیل ''دوبے جی'' نے بڑی چالاکی سے اسے عام مسجد میں خواتین کی پابندی کا کیس بنا کر میڈیا میں شہرت حاصل کرلی۔

کچھ دلچسپ حقائق

یہاں ایک دلچسپ بات یہ بھی ملاحظہ فرمائیے وہ یہ کہ بعض اخبارات مثلاً بی بی سی اردو ڈاٹ کام کے مطابق درخواست گزار نے یہ بھی اعتراض پیش کیا ہے کہ جہاں اجازت ہے وہاں بھی مرد و عورت کے آنے جانے کے دروازے الگ الگ ہیں ایسا کیوں؟ یہ بھی مساوات کے خلاف ہے! مزید اس سے بھی دلچسپ پہلو اس کیس کا یہ بھی سنتے چلیے کہ جب عدالت میں جج صاحبان نے عرضی گزار کے وکیل ''دوبے جی'' سے قبول عرضی کے لیے یہ پوچھا کہ ''روکنے والے نے کیا کوئی فرمان یا حکم نامہ دکھایا تھا''، تو جواب ندارد! پھر جج صاحبان نے پوچھا ''اس معاملے میں کسی کی بنیادی حقوق کی خلاف ورزی کیسے ہورہی ہے؟''، وکیل نے کہا: ''مساوات نہیں ہو پا رہی ہے''، اس پر جج صاحبان نے کہا ''کیا اس کو لے کر NGOs یعنی غیر سرکاری تنظیم کے زمرے میں آنے والی عبادت گاہوں کو ہم فریق بنا سکتے ہیں؟ یہ کوئی ریاست state تو نہیں کہ اس نے اپنے اس شہری کے ساتھ ناانصافی کی، جس سے اس کے بنیادی حقوق کی خلاف ورزی ہوئی، لہٰذا اسے فریق بنا کر اس کی تلافی کی جائے؟''

مزید جج صاحبان نے مثال دے کر کہا کہ کیا کسی فرد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی دوسرے فرد کو فریق بنائے اور کہے کہ یہ مجھے اپنے برابر نہیں سمجھتا، اپنے جیسا حق نہیں دیتا، میرے ساتھ ناانصافی ہورہی ہے، اس پر وکیل صاحب لاجواب ہوتے ہوتے یہ کہہ گیے کہ ''مساجد کو بھی ریاست اور سرکار مراعات اور پیسے دیتی ہے''، اور پھر یوں معاملے کو سماعت کے لیے قبول کرلیا گیا اور اس کے بعد اس سے متعلق فریق کو نہیں بلکہ تنظیموں کو نوٹس دی گئی! اسی کو شاید ''مدعی سست گواہ بلکہ وکیل چست'' کہتے ہیں۔

تفصیل کے لیے دیکھیے ہندی اخبار دینک جاگرن (اشاعت 17 / 04 / 2019)

ظاہر ہے مسجد میں جماعت کے ساتھ شرکت کرنا یہ ایک واجبی فریضہ اور شرعی ذمہ داری ہے،جس کا مکلف شرعاً مردوں کو بنایا گیااور خواتین کو اس بابت آزاد رکھا گیا ہے،جس کی تفصیل آگے آرہی ہے، لہٰذا اس سلسلے میں شور مچانا اور حق تلفی کا ڈھنڈورا پیٹنا سراسر غیر قانونی ہے، ورنہ پھر تو ممکن ہے کل کوئی یہ سوال لے کر عدالت ہوآئے کہ مسجد میں نماز کے اندر امامت فقط مرد ہی کیوں کرتے ہیں عورت کو اس سے کیوں محروم رکھا جائے ؟ پھر بعد ازاں یہ قضیہ کھڑا ہو کہ یہ مرد و عورت کا ہی سلسلہ ہی کیوں ہے؟اس سے تفریق وتمیز کا احساس جنم لیتا ہے، یہ انسانی حقوق کے خلاف ہے، لہٰذا اسے ہی ختم کر دو**!** تو بتائیے اس وقت کیا کیا جائے گا اور کیوں کیا جائے گا؟

آمدم برسر مطلب: آپ سبھی قارئین یہ یاد رکھیں کہ میڈیا جس طرح سے یہ ماحول پیدا کر رہا ہے کہ ''سبری مالا مندر'' میں خواتین پر پوجا کو لے کر پابندی عائد تھی اور سپریم کورٹ وعدالت عظمیٰ نے ان ہندو خواتین کی دادرسی کرتے ہوئے ان پر عائد پابندی ختم کر کے صنفی مساوات کا علم بلند کیا، ٹھیک یہی سب مسلم خواتین کے ساتھ نیائے وانصاف کے ساتھ ہونا چاہیے، ان پر بھی لگی پابندی کا خاتمہ ہونا چاہیے اور مسجد میں عبادت کو لے کر انہیں صنفی مساوات کا احساس کرایا جانا چاہیے، یہ سراسر انکا بھرم بلکہ ان کی کھسیاہٹ ہے، اس کا اندازہ آپ خود لگا سکتے ہیں کہ یہ بھرم کیوں کر ہے ذرا سوچیے! کیا واقعی سبری مالا مندر کی طرح مسلم خواتین پر مسجد میں دخول کو لے کر ممانعت ہے، کیا ممانعت پر مبنی دلائل اور مذہبی باتیں بزبان پنڈت واشلوک، اسلامی تعلیمات وہدایات میں بھی ہیں؟ کیا اسلام میں بھی ان کی طرح عورت کو سراپا مجسم ناپاک مانا گیا ہے؟ سبھی جانتے ہیں ایسا نہیں ہے؟ ظاہر ہے اگر ایسا ہوتا تو خود درخواست گزار جماعت اسلامی والوں کی مساجد کو مستثنیٰ کیوں رکھتے؟ کیا وہ اسلام کا حصہ نہیں؟ یہی نہیں مشہور مساجد مثلاً جامع مسجد دہلی، مکہ مسجد حیدرآباد وغیرہ جہاں سینکڑوں سیاح آتے ہیں، ان میں خواتین کی بھی کثرت رہتی ہے، وہ نماز کے وقت وہاں نماز بھی ادا کرتی ہیں، کیا پابندی ہوتی تو یہ وہاں جا پاتیں؟ نماز ادا کر پاتیں؟ باتیں اور مثالیں کئی اور بھی ہیں، مثلاً خواتین کے لیے مخصوص حلقے اور حصے میں مسجد حرام اور مسجد نبوی کے اندر ان کی نماز کی ادائیگی سے تو سارا عالم واقف ہے، یہ اور بات ہے شہر

مکہ اور مسجد حرام کی مقدس فضا کا کوئی موازنہ نہیں اور نا یہاں ملک عزیز میں چھیڑ خانی پر پولیس و عدالت کی تیز رفتاری کا وہاں سے کوئی مقابلہ! کاش وہاں کی پولس وعدالت کی طرح تیز رفتاری کے ساتھ یہاں کی پولیس وعدالت بھی مجرموں کا ناطقہ بند کر پاتی! تو تائید ہی تائید ہوتی!

حقیقت یہی ہے کہ جس طرح عورتوں کی شایان شان اللہ نے انہیں اپنے گھروں میں سکونت اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شان واحترام کا لحاظ کرتے ہوئے اپنے گھروں میں نماز پڑھنے کو افضل قرار دیا ہے، چناچہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **لا تمنعوا نساءَ کمُ المساجدَ وبیوتُهنَّ خیرٌ لَهن** (أبو داود) اپنی عورتوں کو نماز ادا کرنے کے لیے مساجد میں آنے سے مت روکو، ہاں البتہ اس کام کے لیے ان کے گھر بہتر ہیں۔

اب ذرا فرمان رسول پر غور کرنے کی زحمت کیجیے اور لوگوں کو بتائیے اس کا کیا مطلب ہے؟ ظاہر اس کا مطلب یہی ہے کہ مرد حضرات مساجد میں باجماعت نماز ادا کرنے سے جو فضیلت پاتے ہیں وہی فضیلت خواتین اپنے گھروں میں نماز پڑھ کر حاصل کر لیتی ہیں، جس کی بابت ہمارے فقہاء کرام نے کہا کہ خواتین اسلام پر نہ تو ادائیگی نماز کے مسجد جانا لازم ہے اور نہ ہی انہیں جماعت سے نماز پڑھنا واجب ہے، کیونکہ خواتین اسلام کو تو بزبان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہدایت دی گئی ہے کہ یہ خاتون اسلام اپنے گھروں میں پنج گانہ نماز ادا کریں، اخلاص کے ساتھ نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کریں، خشوع وخضوع اور حضور قلبی کے ساتھ نماز ادا کریں، نماز میں اعتدال وسکون برقرار رکھیں، ایک نماز ادا کر کے دوسری نماز کا خیال اسی وقت سے کرنے لگیں اور گھر میں بھی نماز کے لئے مزید اندرونی کوٹھری کا انتخاب کریں، یہ ان کے لئے زیادہ اجر وثواب کا باعث ہے، چناچہ ابوداؤد کی مزید ایک روایت ملاحظہ فرمائیں اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: **صلاةُ المرأةِ في بيتِها أفضلُ من صلاتِها في حجرتِها وصلاتُها في مَخدعِها أفضلُ من صلاتِها في بيتِها** (أبو داود) عورت کی نماز

اس کے اپنے گھر میں صحن کے بجائے کمرے کے اندر زیادہ افضل ہے، بلکہ کمرے کی بجائے (اندرونی) کوٹھری میں زیادہ افضل ہے۔

آپ کو یہ جانکر مزید حیرت ہوگی کہ اس سے بھی زیادہ واضح دوٹوک روایت میں ذکر ہے کہ ایک خاتون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی خواہش ظاہر کرتی ہیں تو آپ انہیں گھر میں نماز پڑھنے کی تعلیم دیتے ہیں اور اسے افضل قرار دیتے ہیں، بھلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد نبوی میں نماز پڑھنے سے زیادہ افضل عمل کیا ہوسکتا ہے مگر روایت دیکھیں اور گھر میں عورتوں کی نماز کی افضلیت کا اندازہ لگائیں اور صحابیہ کی قابل قدر ادائیگی نماز دیکھیں۔ ماشاء اللہ!

یہ وہ فرامین نبوی ہیں جن میں خواتین اسلام کے شایان شان پوری عزت وقار کے ساتھ انہیں مکمل رعایت دی گئی ہیں، جن سے یہ روز اول سے مستفید ہوتی آرہی ہیں. ظاہر ہے جو ان روایات سے بے بہرے ہونگے وہ فقہ کو نشانے پر لانے کی کوشش کریں گے، جب کہ فقہ اسلامیات انہیں روایات کی مکمل پاسدار ہے، جہاں تک عرضی گزار کا یہ سوال ہے کہ جن مساجد میں اجازت ہے وہاں بھی انکے الگ الگ دروازے ہیں، تو یاد رہے ابوداؤد ہی میں ہے کہ اسکا التزام ہدایت نبوی کے مطابق عہد صحابہ سے ہی دیکھنے کو ملتا آرہا ہے، حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (لَوْ تَرَكْنَا هٰذَا الْبَابَ لِلنِّسَاءِ: قَالَ نافع تِلْمِيْذُ ابْنِ عُمَرَ فَلَمْ يَدْخُلْ مِنْهُ ابْنُ عُمَرَ حَتّٰى مَاتَ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کاش کہ ہم مسجد کا یہ دروازہ عورتوں کے لیے مخصوص کردیں! امام نافع جو کہ حضرت عبداللہ بن عمر کے شاگرد ہیں فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر وفات تک اُس دروازے سے مسجد نبوی میں کبھی بھی داخل نہ ہوئے، جو عورتوں کے لیے مخصوص تھا (سنن ابی داود)

اس موقع پر یہ بات بھی ضرور پیش نظر رہنی چاہئے کہ شریعت اسلامی کا مزاج تنگی ودشواری کے بجائے سہولت وآسانی کی جانب مائل ہے، یہی وجہ ہے کہ کتاب الٰہی کا واضح اعلان ہے مَا

جَعَلَ عَلَيۡكُمۡ فِي الدِّيۡنِ مِنۡ حَرَجٍ دین میں تمہارے اوپر کوئی تنگی نہیں رکھی گئی ہے، اس لئے اسباب وذرائع کے بارے میں فطرت سے ہم آہنگ یہ حکمت آمیز فیصلہ کیا گیا کہ جو امور کسی معصیت کا ایسا ''سبب قریب'' ہوں کہ عام عادت کے اعتبار سے ان کا کرنے والا اس معصیت میں ضرور مبتلا ہو جاتا ہے، ایسے ''قریبی اسباب'' مثلاً کسی جوان عورت کا کسی مرد کے سامنے بے پردہ ہونا اور زنا کا سبب بننا، اسکو شریعت اسلام نے اصل معصیت کے حکم میں رکھا اور ممنوع و حرام قرار دیا ہے، اس کا حکم زمان ومکان کی قید سے ماورا ہوتا ہے، یہ حرمت سبھی دور اور سبھی اشخاص کے لیے ہوتی ہے، البتہ علاج معالجے کے لیے استثنائی صورت الگ ہے، اسکے بعد جن اسباب کا تعلق معصیت اور گناہ سے ''سبب بعید'' کا ہوتا ہے، جیسے خواتین کا باپردہ ہوکر گھر و چہار دیواری سے باہر نکلنا کہ ان کے اختیار کرنے اور عمل میں لانے سے گناہ میں مبتلا ہونا عادۃً لازم وضروری تو نہیں مگر ان کا کچھ نہ کچھ دخل گناہ میں ضرور ہے ایسے اسباب وذرائع کو مکروہ قرار دیا گیا، یہ زمان ومکان اور اشخاص کے لحاظ سے بدلتے رہتے ہیں.

فقہ حنفی میں مساجد میں جماعت کی شرکت کو لے کر خیر القرون کے بعد جوان اور بڑی عمر کی عورت میں فرق روا رکھا گیا، خیر القرون کے بعد فتنے کے اندیشے سے جوان عورت کو منع کیا گیا ہے اور بڑی عمر کی عورت کی شرکت میں ''کوئی حرج نہیں'' کہہ کر اجازت دی گئی ہے، البتہ جہاں جہاں فتنے کا غلبہ بہر صورت محسوس ہو وہاں جماعت میں شرکت کے حوالے سے کیا نوجوان عورت اور کیا بوڑھی سبھی کے حق میں تحفظ وسیکورٹی کے پیش نظر منع کی بات بھی ملتی ہے، پابندی نہیں۔

فقہ حنفی کی مشہور متن وشرح کی وقیع اور جامع کتاب ''ہدایہ'' میں ہے: **ويكره لهنّ حضور الجماعة يعني الشّواب منهنّ لما فيه من خوف الفتنة ولا بأس للعجوز أن تخرج في الفجر والمغرب والعشاء** ۔یعنی جوان عورتوں کے لیے جماعت میں شامل ہونا مکروہ ہے، کیونکہ فتنہ کا ڈر ہے، البتہ بوڑھی عورتوں کے فجر، مغرب اور عشاء میں شامل

ہونے میں کوئی حرج نہیں" (الھدایۃ مع الدرایۃ: ۱۲۸/۱)

مذکورہ بالا اجازت کے پیش نظر نمازی خواتین کے لئے ایک گوشہ ضرور خاص رکھا جایے، جہاں وہ اپنی نماز ادا کرسکیں! ہفتہ واری دینی و اخلاقی پروگرام انکے لئے برپا کیا جاسکے، بسا اوقات شہروں میں دوران سفر بشری تقاضے کے پیش نظر ضرورت آن پڑتی ہے، وہاں مردوں کے لئے تو کوئی مسئلہ نہیں البتہ خواتین پریشان ہوتی ہیں، لہذا خواتین کے لیے علیحدہ مخصوص ٹوائلٹ اور وضو خانے کا بھی نظم ہو، یہ وہ کرنے کے کام ہیں جو آج ایک اہم ضرورت کا درجہ اختیار کرتے جارہے ہیں۔

ان اقتباسات و وضاحت سے ہم اسلام کا مزاج اور ملک میں اکثریتی طبقہ کے فقہ حنفی کا نقطہ نظر اس بابت دیکھ اور سمجھ سکتے ہیں۔

<u>یہ ہم نے کیا کردیا</u>

قرآن

عمل کی کتاب تھی — دعا کی کتاب بنادیا
سمجھنے کی کتاب تھی — صرف پڑھنے کی کتاب بنادیا
زندوں کے لئے دستور تھی — مردوں کا منشور بنادیا
تسخیر کائنات کا درس دینے آئی تھی — صرف مدرسوں کا نصاب بنادیا
مردہ قوموں کو زندہ کرنے آئی تھی — مردوں کو بخشوانے پر لگادیا
ذرا سوچئے اے مسلمانو یہ کیا کیا؟

مرسلہ: الحاج محمد خالد منیار سورت گجرات

بچوں کو قریب کیجیے

بشکریہ ''اردو نیوز'' ریاض

عربی کے چند کلمات ایک جگہ پڑھے تو ان کی جامعیت نے حیران کر دیا، چار کلمات پر مشتمل یہ نہایت قیمتی نصیحتیں گویا بچوں کے ساتھ والدین کے خوشگوار تعلقات کی کلید ہیں۔

ذرا ملاحظہ فرمائیں:

اقتربوا من ابناکم، وشاوروهم، وحاوروهم، واکسبوهم، قبل ان تخسروهم!

اپنے بچوں کے قریب رہا کرو۔ اُن سے مشورے کیا کرو۔

تبادلۂ خیال کیا کرو۔ اُن کے دل جیت لو۔

قبل اس کے کہ تم انہیں ہمیشہ کے لئے کھو دو۔

والدین کی سب سے اول اور بڑی ذمے داری، بچوں کی صحیح تعلیم و تربیت ہوتی ہے۔ بچپن اور لڑکپن کا زمانہ بے شعوری و بے خیالی کا دور ہوتا ہے۔

اس وقت بچے بڑوں کے رحم و کرم کے محتاج ہوتے ہیں، بچے انہی کو اپنا محسن سمجھتے ہیں جو انہیں اپنے قریب رکھتے ہیں، ان سے پیار کرتے ہیں۔

بہترین تربیت جو قربت و انسیت سے ممکن ہے، ڈانٹ ڈپٹ اور مار دھاڑ سے ہرگز ویسی ممکن ہی نہیں۔

سیرت النبی میں بچوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ سلوک کا جائزہ لیں تو آپ بہترین مربی اور بچوں پر رحم کرنے والے نظر آئیں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کے ساتھ نرمی، محبت، عاطفت، ملاطفت کا درس نہ صرف اپنی تعلیمات ہی کے ذریعہ دیا، بلکہ اپنے عمل سے بھی اس کا ثبوت پیش فرمایا۔

آپصلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کے بچپنے کا ہر لحاظ سے خیال رکھا، اپنی تمام تر رفعت شان کے باوجود ان کے ساتھ کھیلا بھی اور کبھی ان پر سختی نہیں فرمائی۔

اپنے پیارے نواسوں سے آپصلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وشفقت کے کئی واقعات ہم سنتے پڑھتے رہتے ہیں کہ عین نماز کی حالت میں بھی آپ کے نواسے آپ پر سوار ہو جاتے تھے اور آپصلی اللہ علیہ وسلم ناراض تو کیا ہوتے، ان کے لیے سجدے کو طویل فرمالیتے۔

ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن کو چوم رہے تھے، ایک دیہاتی نے اعتراض کرتے ہوئے گویا حیرت کا اظہار کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اگر اللہ نے تیرے دل سے رحمت کو نکال دیا تو میں کیا کرسکتا ہوں؟!

ایک بار ایک اور ایسے ہی موقع پر جب ایک صحابی نے حیرت کا اظہار کیا تو فرمایا کہ جو شخص رحم نہیں کرتا، اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔

مسلمان تو مسلمان، حضور نے تو کفار کے بچوں کے ساتھ بھی نرمی کی تلقین فرمائی، ایک یہودی کا لڑکا آپ علیہ السلام کی خدمت میں آیا کرتا تھا، وہ ایک دفعہ بیمار ہو گیا، آپ ﷺ نے ازخود تشریف لے جا کر اس کی عیادت فرمائی، اس بچے کے سرہانے بیٹھے، پھر اس بچے سے فرمایا: اسلام قبول کرو، اس بچے نے اپنے والد پر نظر ڈالی، والد نے بھی کہا: ابوالقاسم کی اطاعت کرو، لہٰذا وہ بچہ مسلمان ہو گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہتے ہوئے نکلے:

تمام تعریفیں اسی اللہ کے لئے ہیں جس نے اس کو آگ سے بچالیا۔

آج اس اسوہ حسنہ کی روشنی میں ہم اپنے سلوک کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ کفار اور غیر کے بچے تو الگ، ہم اپنے بچوں، اپنے خون کے ساتھ کیسا بیگانے کا سا سلوک کرتے ہیں؟

باپ کی درشت مزاجی کی وجہ سے بچہ پڑوسی انکل کے زیادہ قریب، باپ سے دور ہوتا ہے۔

بات بات پہ مارنا، چلانا، برا بھلا کہنا بچوں کو نہ صرف ڈھیٹ بنا دیتا ہے بلکہ ان کو

ماں باپ سے دور بھی کر دیتا ہے۔

پھر ہوتا یہ ہے کہ بچے اس جذباتی خلا کو باہر والوں سے پر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

باہر پھرتے سفاک درندے ایسے ہی معصوموں کا شکار کرنے کے لئے گھات لگائے بیٹھے ہوتے ہیں، سو وہ انہیں جھوٹی محبت کے جال میں پھانس کر ان کا جذباتی و جنسی استحصال تک کر بیٹھتے ہیں۔

گھر میں خود بچے سے متعلق امور میں بھی اس سے کوئی مشورہ نہیں ہوتا، نہ اس سے رائے لی جاتی ہے اور نہ اس کی پسند ناپسند کا خیال رکھا جاتا ہے۔

ہر وقت، ہر بات میں بس اپنی مرضی چلائی بلکہ باقاعدہ تھوپی جاتی ہے۔

آہستہ آہستہ والدین اور بچوں کے درمیان ایک ایسی اجنبیت کی دیوار کھڑی ہونے لگتی ہے کہ پھر بچہ کسی جذباتی کشمکش کا شکار ہو جائے، اس کے ساتھ کچھ غلط ہونے لگے تو وہ چاہتے ہوئے بھی اپنی بات والدین سے شیئر نہیں کر پاتا۔

اور یوں یہ صورت حال کبھی خدانخواستہ ناقابل تلافی نقصان کا باعث بن جاتی ہے۔

یاد رکھیے! انگلی پکڑ کر چلانے والے ہاتھ جب ہاتھ چھوڑ دیں تو پھر جانے کون کون انگلیاں پکڑتا ہے اور کس کس سمت لے جاتا ہے۔

اپنے احساسات کو جھنجھوڑیئے اپنی غفلت کو دور کیجیے۔

مستقبل کے ان ہونہار نونہالوں کو اپنے سے قریب کیجیے، ان سے مشورے کیجیے، انہیں اہمیت کا احساس دلائیے، گاہے ان کے ساتھ تبادلۂ خیال کیا کیجیے اور ان کے دل جیت لیجیے، قبل اس کے کہ آپ انہیں ہمیشہ کے لئے کھو دیں...!

اللہ سبحانہ وتعالی ہم سب کو عقل سلیم عطا فرمائے اور اچھے والدین بننے کی توفیق عطا فرمائے، آمین □□□

اہلِ خیر حضرات متوجہ ہوں

مظاہر علوم سہارنپور کی جانب سے ملک کے بیشتر علاقوں میں سفراء حضرات فراہمیٔ مالیات کا کام کررہے ہیں، یہ سفراء حضرات تقریباً سال کے اکثر حصہ میں اپنے حلقہ میں پہنچ کر فرائض منصبی انجام دیتے ہیں اور معاونین مدرسہ کے عطیات ان کی خواہش کے مطابق دینی مصرف پر خرچ کرنے کے لیے مدرسہ میں لاکر جمع کرتے ہیں۔

ماہ رمضان کے مبارک مہینے میں خیر اور طاعات کی جانب لوگوں کا رجحان زیادہ ہوتا ہے اسی لئے امت کے اکثر حضرات اسی ماہ میں زکوٰۃ، صدقات اور مدارس کے تعاون کی طرف راغب ہوتے ہیں، اس لئے ضرورت محسوس کی گئی کہ مظاہر علوم کی جانب سے ملک کے مختلف حلقوں میں جو سفرائے کرام سفر کرتے ہیں ان کی فہرست اوران کا رابطہ نمبر شائع کردیا جائے تاکہ خیر کے متلاشی حضرات کے لئے سہولت ہو۔

نوٹ: واضح رہے کہ تمام سفراء کرام مدرسہ کے تنخواہ دار ملازم ہیں، کمیشن پر ادارہ ہرگز کام نہیں کراتا اور نہ ہی اس کو جائز سمجھتا ہے۔

نقشہ حلقہ جات سفراء کرام مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

نمبر شمار	اسماء گرامی سفراء کرام	علاقہ
۱	حافظ انیس الدین صاحب 9211314978	شہر دہلی قدیم وجدید
۲	مولوی محب الرحمن صاحب 9427326469	احمد آباد، بناس کانٹھا، سابر کانٹھا، مہسانہ، کچھ، بھوج (گجرات)
۳	مولوی فاروق اعظم صاحب 9407555569	مالی گاؤں، جلگاؤں، دھلیہ، آکولہ، امراوتی، بھوپال، ناگپور
۴	مولوی نسیم الدین صاحب 8188907483	بنارس، اعظم گڈھ، مئو، جونپور، الہ آباد، مغل سرائے، مرزاپور، غازی پور
۵	مولوی مسیح اللہ مظاہری صاحب 8193925616	کانپور، باندہ، جھانسی، قنوج، فرخ آباد، اناؤ، لکھنؤ، فتح پور

۶	مولوی محمد اسرار صاحب 9997862244	شہر بمبئی
۷	مولوی محمد ہارون صاحب 8979202800	مرادآباد، رامپور، ہردوئی، بریلی، بہرائچ، شاہ جہانپور، سیتاپور، پرتاپ گڈھ
۸	مولوی مظفر عالم صاحب 9427810786	بھروچ، سورت، بلساڑ، نوساری، گجرات
۹	مولوی جمیل احمد صاحب 9359209995	آگرہ، علی گڈھ، فیروزآباد، متھرا، فریدآباد
۱۰	مولوی محسن عالم صاحب 9404729668	پونہ، ستارہ، کراڈ، کولہاپور، بیل گام، گوا، رتنا گری، شولاپور (مہاراشٹر)
۱۱	مولوی محمد اشرف صاحب 9557857749	بلندشہر، سکندرآباد، خورجہ، ایٹہ، مین پوری، بدایوں
۱۲	مولوی رفیق احمد صاحب 9829438013	اجمیر، ناگور، اودے پور، جودھپور، بیکانیر، مکرانہ، سیکر، فتح پور (راجستھان)
۱۳	مولوی ارشاد احمد صاحب 9908996963	حیدرآباد، سکندرآباد، محبوب نگر، گلبرگہ، نیلور، ورنگل، چتور، گنٹور (اے پی)
۱۴	منشی محمد یوسف صاحب 9917362193	سردھنہ، موانہ، باغپت، بڑوت، کھتولی، مظفرنگر
۱۵	حافظ ناصر صاحب 9411295655	جمنانگر، پانی پت، کاندھلہ، کیرانہ، شاملی وغیرہ
۱۶	مولوی قطب الدین صاحب 7417371108	میرٹھ وتحصیل میرٹھ، اورنگ آباد، لاتور، جالنہ، پربھنی، ہنگولی، ناندیڑ، عثمان آباد وغیرہ
۱۷	مولوی طارق انور مظاہری صاحب 8743878897	بڑودہ، پنچ محل، کھیڑہ، کاٹھیاواڑ، گودھرا (گجرات)
۱۸	حافظ مشرف علی صاحب 8859606183	بھیونڈی، واطراف بمبئی
۱۹	مولوی محمد مسلم صاحب 93127221460	جعفرآباد، سیلم پور، لکشمی نگر، غازی آباد، اطراف دہلی، مصطفی آباد
۲۰	مولوی محمد امتیاز صاحب 9449363177	شہر بنگلور، کرناٹک

۲۱	مولوی پرویز مظاہری صاحب 9509690294	گنگانگر، کوٹہ بوندی، ٹونک، سوائی مادھوپور، جے پور (راجستھان)
۲۲	حافظ عطاء اللہ قمر صاحب 9917102626	روڑکی، ہری دوار، دہرہ دون (اتراکھنڈ) بلدوانی، نینی تال، الموڑہ، باگیشوری، جیون گڑھ
۲۳	حافظ محمد عرفان صاحب 8393059963	قصبہ سرساوہ، چلکانہ، بہٹ وغیرہ، سہارنپور
۲۴	مولانا نورعالم صاحب 9837650686	ترکمان گیٹ، اطراف جامع مسجد، نظام الدین، اوکھلا، حوض رانی سنگم وہار، مہرولی، گڑگاواں وغیرہ
۲۵	مولوی نیرعالم صاحب 6200113817	چھتیس گڑھ و مدھیہ پردیش
۲۶	سید قاری عبدالرحمان صاحب 9756124970	گنگوہ، بجنور، مالیر کوٹلہ، بستی، گورکھپور
۲۷	مولوی محمد جنید مظاہری صاحب 8630026280	مدراس، تاملناڈو
۲۸	مولوی محمد صادق شیوہری 6200780540	کلکتہ، بنگال اور بہار

ذکر جہر میں ریاء نہیں ہوسکتا:

حضرت مولانا گنگوہیؒ نے ایک ذاکر کے اس شبہ پر کہ اس ذکر جہر میں ریاء (دکھاوا) ہے، یہ جواب فرمایا تھا کہ ذکر جہر میں تو سب دیکھ رہے ہیں کہ اللہ اللہ کررہے ہیں اور ذکر خفی میں گردن جھکائے بیٹھے ہیں، دیکھنے والے سمجھتے ہیں کہ نہ معلوم لوح وقلم عرش وکرسی کی سیر کررہے ہیں تو اس حساب سے ذکر خفی میں ذکر جہر سے زیادہ ریاء ہے۔

(معارف الاکابر ص: ۴۱۸)

دراصل ریاء نیت کی خرابی سے ہوسکتا ہے اگر ریاء کی نیت نہ ہو تو ریاء نہیں ہوسکتا، اس قسم کے وساوس شیطان دل میں ڈال کر ذکر سے روکنا چاہتا ہے۔

زکوٰۃ کے چند اہم مسائل

انتخاب : عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

زکوٰۃ کن لوگوں پر فرض ہے؟:

جس مرد یا عورت کی ملکیت میں ساڑھے سات تولہ سونا (۸۷ گرام ۴۸۰ ملی گرام) یا ساڑھے باون تولہ چاندی (۶۱۲ گرام ۳۶۰ ملی گرام) یا کچھ سونا کچھ چاندی اور نقدی و تجارت کا سامان جن کا مجموعہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو تو ایسے مرد و عورت کو صاحب نصاب کہا جاتا ہے، اور سال گذرنے پر اسکے پورے مال کا چالیسواں حصہ یعنی ڈھائی فیصد بطور زکوٰۃ دینا اس کے ذمہ فرض ہے۔

زکوٰۃ کے چند اہم مسائل:

اگر ادھار کی رقم نصاب کے برابر یا اس سے زیادہ ہے تو وصول ہونے کے بعد زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہوگا، اگر ادھار کی رقم وصول ہونے میں چند سال کا عرصہ گزر گیا تو گزشتہ تمام سالوں کی زکوٰۃ دینا لازم ہوگا۔

اگر استاد غریب ہے نصاب کا مالک نہیں تو شاگرد کے لیے استاد کو زکوٰۃ دینا جائز بلکہ مستحق استاد کو زکوٰۃ دینے کا ثواب زیادہ ملے گا۔

مردے کے ایصال ثواب کے لیے زکوٰۃ کی رقم دینا جائز نہیں بلکہ دوسری حلال رقم زکوٰۃ کے علاوہ سے ایصال ثواب کرنا ہوگا۔

باپ اور بیٹا مل کر پیسہ کماتے ہیں اور پیسہ والد کے قبضہ میں ہے اور باپ ہی اس میں

سے تصرف کرتا ہے اور وہ رقم نصاب کے برابر ہے تو سال گزرنے کے بعد باپ کے لیے زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہوگا بیٹے کے لیے نہیں۔

ماں، باپ، داد، دادی، نانا، نانی کو اسی طرح اپنی اولاد بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسا اور نواسی زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔

بچہ اگر صاحب نصاب ہے تو نابالغ ہونے کی وجہ سے اس کے مال وغیرہ پر زکوٰۃ واجب نہیں اور ولی کے لیے نابالغ کے مال سے زکوٰۃ ادا کرنا لازم نہیں ہوگا دوسری عبادات کی طرح بچہ پر زکوٰۃ بھی واجب نہیں۔

زکوٰۃ کی رقم سے مکانات بنا کر مستحق لوگوں میں تقسیم کرنے سے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی البتہ مستحق لوگوں کو مکمل طور پر مالک بنا دینا ضروری ہے، مکان کا قبضہ بھی دیدیں رجسٹرڈ کرا کر کاغذات بھی ان کے حوالے کر دیں تاکہ وہ اپنے اختیار سے جس قسم کا جائز تصرف کرنا چاہیں کرسکیں۔

جو رقم زکوٰۃ کی نیت کے بغیر ادا کی جائے اور جس کو دی جائے وہ خرچ بھی کرلے اب اگر اس مال کو زکوٰۃ میں شمار کیا جائے تو وہ درست نہیں اور زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

بھابھی، بھائی، بھتیجا، بہن اگر وہ نصاب کے مالک نہیں اور مستحق بھی ہیں اور ان کا کھانا پینا الگ ہو تو ان سب کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

بیوی شوہر کو اور شوہر بیوی کو زکوٰۃ دے تو یہ جائز نہیں ہے۔

اگر بیوی صاحب نصاب ہے تو خود بیوی کو زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے، شوہر پر ضروری نہیں۔

زکوٰۃ ایک مسلمان کے لئے فریضہ خداوندی اور عبادت ہے، انکم ٹیکس ادا کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی بلکہ زکوٰۃ کا الگ ادا کرنا فرض ہے۔

۞۞۞۞۞۞۞